شمارہ نمبر ۱

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

جون/جولائی ۲۰۱۷ء

★ ۲۰ رکعت تراویح پر کفایت اللہ سنابلی کے اعتراضات کے جوابات ★ عیدین کی رات میں عبادت احادیث کی روشنی میں

★ عورتوں کا اعتکاف گھر میں افضل ہے ارشاد الحق اثری کے مضمون کا تحقیقی جائزہ

ALIJMA FOUNDATION

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

فہرست مضامین

نوٹ: حضرات! ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں کتابت (ٹائپنگ) کی کوئی غلطی نہ ہو ، مگر بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا امکان سے باہر نہیں ، اس لئے آنحضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ کتابت کی کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے دامن عفو میں چھپانے کی بجائے ادارہ کو مطلع فرمادیں ، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔جزاکم اللہ خیراً

بادلِ ناخواستہ

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اور دوسرے باطل فرقے اپنی تعلیمات اپنے سننے والوں میں بیان کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں پر ،اکثر غیر مناسب انداز میں اعتراض کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور اہل حق علماء کو گمراہ اور کافر کہنے تک سے گریز نہیں کرتے ، جس سے فتنہ برپا ہوتا ہے۔

ان لوگوں کے اس فتنے کو بند باندھنے کیلئے بادل ناخواستہ قلم اٹھانا پڑتا ہے ،ورنہ ملکی اورعالمی حالات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی صلاحتیں کہیں اور صرف ہوں۔

ادارہ: الاجماع فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث 'أولہ رحمة وأوسطہ مغفرة وآخرہ عتق من النار' کی تحقیق

مولانا نذیر الدین قاسمی

امام ابو بکر محمد بن اسحق بن خزیمہ السُلمی النیسابوری ؒ(م ۳۱۱؁ھ) فرماتے ہیں کہ :

ثنا علی بن حجر السعدی، ثنا یوسف بن زیاد، ثنا ھمام بن یحیی، عن علی بن زید بن جدعان، عن سعید ابن المسیب، عن سلمان قال:

خطبنا رسول اللہ ﷺ فی آخر یوم من شعبان فقال:

((أیھا الناس قد أظلکم شھر عظیم، شھر مبارک، شھر فیہ لیلة خیر من ألف شھر، جعل اللہ صیامہ فریضة، وقیام لیلہ تطوعاً، من تقرب فیہ بخصلة من الخیر، کان کمن أدّی فریضة فیما سواہ، ومن أدّی فیہ فریضة کان کمن ادّی سبعین فریضة فیما سواہ، وھو شھر الصبر الصبر ثوابہ الجنة، وشھر المواساة، وشھر یزداد فیہ رزق المؤمن، من فطر فیہ صائما کان مغفرة لذنوبہ وعتق رقبتہ من النار، وکان لہ مثل أجرہ من غیر أن ینتقص من أجرہ شیئا))

قالوا: لیس کلنا نجد ما یفطر الصائم۔

فقال: "یعطی اللہ ھذا الثواب من فطر صائماً علی تمرة، أو شربة ماءٍ، أو مذقة لبن، وھو شھر أولہ رحمة وأوسطہ مغفرة، وآخرہ عتق من النار، من خفف عن مملوکہ غفر اللہ لہ وأعتقہ من النار"۔

حضرت سلمانؓ نے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری روز خطبہ ارشاد فرمایا:

لوگو! تمہارے پاس بڑا عظیم مہینہ آگیا ہے ، یہ مہینہ بڑا مبارک ہے ، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ۱۰۰۰ مہینوں سے بہتر ہے ، اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے کو فرض اور اس کی راتوں کے قیام کو نفل قرار دیا ہے۔

جو شخص اس میں کوئی نیک کام کرکے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے ، تو گویا اس نے دیگر مہینوں میں ادا کئے گئے فرض جیسا کام (کیا) ہے ، اور جس شخص نے اس مہینہ میں فرض ادا کیا، تو گویا اس نے دیگر مہینوں میں ۷۰ فرض ادا کیا۔

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے ، یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے ، اس مہینہ میں مؤمن کا رزق بڑھادیا جاتا ہے ، جس نے اس مہینہ میں روزہ دار کو افطار کروایا ، تو وہ اس کے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہوگا، اور جہنم سے اس کی گردن کی آزادی کا ذریعہ بنے گا، اسے روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا، جبکہ روزہ دار کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوگی۔

صحابہؓ نے عرض کیا: ہم میں بعض ایسے ہیں جو افطار کرانے کی استطاعت نہیں رکھتے ، تو آپ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا کرتے ہیں جو روزہ دار کو ایک کھجور یا پانی کا گھونٹ یا کچی لسی کے ایک گھونٹ سے روزہ افطار کروادے۔

اس مہینہ کے ابتدائی ۱۰ دن رحمت ہیں ، درمیانی ۱۰ دن مغفرت کے ہیں، اور آخری ۱۰ دن جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے ہیں۔ (صحیح ابن خزیمہ ، حدیث : ۱۸۸۷، واللفظ لہ،شعب الایمان للبیہقی ، حدیث: ۳۳۳۶،فضائل رمضان لابن شاہین ، حدیث :۱۶، فضائل شہر رمضان ،للمقدسی ،حدیث: ۲۴، فضائل رمضان للامام ابن ابی الدنیا ، حدیث : ۴۱)

اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں ، لیکن علی بن زید بن جدعانؒ پر کلام [1] ہے۔لیکن سلفی عالم شیخ حوینیؒ کے نزدیک ان کی حدیث شاہد کی موجودگی میں حسن ہوتی ہے ، اور اس حدیث کی ایک شاہد موجود ہے۔

[1] جرح کے باوجود : امام عجلیؒ(م ۲۶۱؁ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور کہا کہ ان میں کوئی خرابی نہیں ہے ، ان کی حدیث لکھی جائے۔امام یعقوب بن شیبہؒ(م ۲۷۷؁ھ) کہتے ہیں : " ثقة،صالح الحدیث،وإلی اللین ما ھو" اور امام ہیثمیؒ(م ۸۰۷؁ھ) کہتے ہیں : " فیہ کلام وحدیثہ حسن

امام ابو بکر ابن ابی الدنیاؒ (م ۲۸۱ھ) کہتے ہیں کہ :

حدثنا الحسن بن علی[2]، قثنا ھشام بن عمار[3]، قال ثنا سلام بن سوّار[4]، فثنا مسلمة بن الصلت[5]، عن الزھری عن[6] ابی سلمة عن أبی ھریرة قال: قال رسول اللہ ﷺ: أول شھر رمضان رحمة، وأوسطه مغفرة، وآخره عتق من النار۔ (فضائل رمضان للامام ابن ابی دنیا، حدیث: ۳۷، واسنادہ حسن بشاھد)۔ لہذا یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

" ۔(مجمع الزوائد ، حدیث / ۶۹۶۴) امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کہتے ہیں کہ ضعف کے باوجود ان کی حدیث لکھی جائے۔ امام ساجیؒ (م ۳۰۷ھ) ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ : " **کان من اھل الصدق، ویحتمل لروایة الجلة عنه، ولیس یجری مجری من أجمع علی ثبته** " ۔

امام ابو علی الطوسیؒ (م ۳۱۲ھ) کہتے ہیں : " **صدوق إلا أنه ربما رفع الشئ الذی یوقفه غیرہ** "۔امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) بھی یہی فرماتے ہیں۔ کلبی اور امام ابو عبید قاسم بن سلّامؒ (م ۲۲۴ھ) انہیں " **فقیه بصری** " کہتے ہیں۔امام بلاذری (م ۲۷۹ھ) انہیں محدث کہتے ہیں۔امام ابن خلفونؒ (م ۶۳۶ھ) نے انہیں کتاب الثقات میں شمار کیا ہے ، اور کہا ہے کہ :" **عابدا ورعا صدوقا یرفع الشئ الذین یوقف** "۔امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے انہیں " **من تکلم فیه وھو موثق** " میں شمار کیا ہے، اور کہا ہے کہ : " **صویلح الحدیث ، قال احمد ویحی: لیس بشئ وقواہ غیرھما** "۔دیکھئے صفحہ / ۱۴۰۔

نیز سیر اعلام النبلاء ، تاریخ الاسلام ، دیوان الضعفاء میں انہیں "**الامام، العالم الکبیر، أحد أوعیة العلم فی زمانه، حسن الحدیث**" بھی کہتے ہیں۔ المستدرک للحاکم مع تلخیص ۴/۵۵۱ ،حدیث: ۸۵۴۳ ، میں امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے ، اور تلخیص میں امام ذہبیؒ نے انہیں صالح الحدیث کہا ہے۔(اکمال تہذیب الکمال للحافظ مغلطائیؒ ۹/۳۲۳، تہذیب التہذیب لابن حجر ۷/۳۲۳)۔اہل حدیث عالم احمد شاکر صاحبؒ ثقہ کہتے ہیں۔(مسند احمد ، حدیث :۲۶)۔**امام أبو عوانة الإسفرایینيّ** (م ۳۱۶ھ) امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) اور امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔(الاحادیث المختارۃ ۲/۱۰۱) (سنن ترمذی ، حدیث : ۵۰۵) (صحیح ابی عوانہ ، حدیث :۱۰۶۰۳۔طبع **الجامعة الاسلامیة، المملکة العربیة السعودیة**) امام ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) بھی انہیں حسن الحدیث کہتے ہیں۔(تحفۃ المحتاج ۱/۴۷۷) امام بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے ان کو ایک جگہ ثقہ لکھا ہے۔(**اتحاف الخیرة المھرة للبوصیری** ، حدیث: ۶۲۶۷) مشہور سلفی عالم ابو اسحق حوینیؒ کہتے ہیں کہ : " **حدیثه حسن فی الشواھد** "۔(غوث المکدود ۲/۲۳۵، حدیث : ۹۶۹) اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) ان کی روایت کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ : " **علی بن زید بن جدعان له غرائب وافرادات ولکن له شاھد** "۔(مسند الفاروق ۱/۳۸۰) معلوم ہوا کہ شاہد کی موجودگی میں ابن کثیرؒ کے نزدیک علی بن زید کی روایت کا اعتبار ہوگا۔

[2] **ھو الثقة الحافظ الحسن بن علی بن محمد الھذلی الخلال، المتوفی ۲۴۲ھ۔ کذا فی التقریب: ۱۲۶۲**

[3] ھشام بن عمارؒ (م ۲۴۵ھ) یا (م ۲۴۶ھ) صحیح بخاری اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور صدوق راوی ہیں ، لیکن ابن حجرؒ نے وضاحت کی ہے کہ وہ آخر عمر میں مختلط ہوگئے تھے ، ان کے الفاظ یہ ہیں کہ : " **صدوق مقرئ، کبر فصار یتلقن، فحدیثه القدیم أصح** "۔(تقریب :۷۳۰۳، تاریخ الاسلام ۵/۱۲۷۷)۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ ان کے شاگرد امام الحافظ الحسن بن علی الخلال (م ۲۴۲ھ) نے ان سے ان کے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے ، کیوں کہ ہشام بن عمارؒ کے انتقال کے ۳ یا ۴ سال پہلے ہی امام حسن بن علی الخلالؒ کا انتقال ہوچکا تھا ، پھر علی بن زید بن جدعانؒ کی روایت سے بھی اس روایت کی تائید ہوتی ہے ، لہذا ان پر اختلاط کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

[4] سلام بن سلیمان بن سوارؒ (م ۲۱۰ھ) ابن ماجہ کے راوی ہیں اور امام عباس بن الولیدؒ (م ۲۶۹ھ) نے ثقہ کہا ہے۔ ان کے بارے میں ابن عدیؒ کا قول فیصلہ کن ہے ، وہ کہتے ہیں کہ : "**وھو عندی منکر الحدیث، عامة ما یرویه حسان إلا أنه لا یتابع علیه**" ۔ وہ میرے نزدیک منکر الحدیث ہیں ، اور عام طور سے جو ان سے روایت کیا ہے درست ہے ، مگر جس میں اس کی متابعت نہیں کی گئی ہے، وہ اس میں درست نہیں ہے۔

الجواب نمبر(۲):

اگر ان دونوں سندوں کو ضعیف بھی مان لیا جائے ، تو بھی یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ کی ہوگی، اور حسن لغیرہ حدیث اہل حدیث علماء کے نزدیک حجت ہے۔

(۱) غیر مقلدین کے قاضی شوکانی ؒ ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں :

بهذا تعرف أن الحديث من قسم الحسن لغيره، وهو محتج به عند الجمهور۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث حسن لغیر ہے ، جو جمہور کے یہاں قابل حجت ہے۔(نیل الاوطار ۹/۲۲)

(۲) اہل حدیث عالم ، مولانا عبید اللہ مبارک پوری نے حسن لغیرہ کو صحیح احادیث کی ایک قسم قرار دیا ہے۔(تحفۃ اہل الفکر /۲۰)[7]

(۳) اہل حدیث محدث شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث باہم تقویت پہنچاتی ہیں ، جن سے استدلال درست ہے۔ (عون المعبود ۱۱۱/۴)

(۴) مولانا عبد الرحمن مبارکپوری ؒ ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کم از کم حسن لغیرہ ہے ، کیوں کہ اس کی متعدد سندیں ہیں۔(تحفۃ الاحوذی ۵/۴۱)

(۵) ایک اور اہل حدیث احمد شاکر ؒ لکھتے ہیں کہ جب راوی کا حافظہ خراب ہونے کی وجہ سے حدیث ضعیف ہو تو وہ متعدد سندوں کی بناء پر حسن یا صحیح درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔(الفیۃ السیوطی /۲۷)

(۶) غیر مقلدین کے محدث ، البانی ؒ لکھتے ہیں کہ اہل علم کے یہاں ، یہ بات مشہور ہے کہ جب کسی حدیث کی متعدد سندیں ہوں، تو ان سندوں کی بناء پر تقویت حاصل کرکے حجت بن جاتی ہے ، اگرچہ ان میں سے ہر سند انفرادی طور پر ضعیف ہو۔(تمام المنۃ ۱/۳۱)

(تہذیب الکمال ۱۲/۲۸۷) یہ بات معلوم ہے کہ اس میں سلام بن سلیمان ؒ کی متابعت ابن خزیمہ ؒ کی روایت سے ہورہی ہے۔ لہذا یہ راوی بھی مقبول ہے۔

[5] یہ راوی مسلمہ بن صلت ؒ بھی غیر مقلدین کے اصول کے مطابق ثقہ ہیں ، امام ابن حبان ؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ (کتاب الثقات ۹/۱۸۰) امام احمد بن حنبل ؒ نے آپؒ سے روایت کی ہے ، اور امام احمد ؒ غیر مقلدین کے نزدیک صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ (انوار البدر /۱۸۲) اسی طرح امام بخاری ؒ نے اپنی تاریخ الکبیر ۷/۳۸۹ میں اس راوی کا ذکر کیا اور کوئی جرح نہیں ، اور غیر مقلدین کے نزدیک یہ امام بخاری ؒ کی طرف راوی کی توثیق ہوتی ہے۔(میزان مناظرہ ۲/۱۱۱) نیز امام ابو عوانہ ؒ (م ۳۱۶؁) نے ان کی روایت کو صحیح کہا ہے۔(صحیح ابوعوانہ ، حدیث : ۵۱۶۶) لہذا یہ راوی خود اہل حدیث حضرات کے اپنے اصول کی روشنی میں ثقہ ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ ابو حاتم ؒ کسی راوی کو متروک کہنا یہ جرح مفسر نہیں ہے۔(تعداد قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ /۴۹)۔خود اہل حدیث حضرات کے نزدیک تعدیل کے مقابلہ میں جرح غیر مفسر جرح مبہم مردود ہوتی ہے۔(دین الحق ۱/۶۷)

[6] امام زہری ؒ (م ۱۲۵؁) کی تدلیس غیر مقلدین کے نزدیک قابل قبول ہے۔(مقالات اثریہ : ۲۷۵) ۔لہذا ان کا اعتراض خود ان کے اصول کی روشنی میں مردود ہے۔

[7] یہ رسالہ مرعاۃ المفاتیح کے مقدمہ میں موجود ہے۔

(۷) مشہور سلفی عالم شیخ ابن العثیمینؒ نے باقاعدہ ایک رسالہ تحریر کیا ہے ، القول الحسن کے نام سے جس میں موصوف نے ضعیف روایت شواہد اور متابعات کی صورت میں ، ایک دوسرے کو تقویت دے کر حسن درجہ تک پہنچاتی ہے ، ثابت کیا ہے۔(القول المقبول للعثیمین)

(۸) شیخ ابن بازؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ امام ابن کثیرؒ نے تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ (وضو سے پہلے) بسم اللہ پڑھنے کی حدیث بعض، بعض کو تقویت دیتی ہے ، اور وہ حسن لغیرہ ہے۔(حاشیہ سماحۃ الشیخ ابن باز علی بلوغ المرام /۸۵) معلوم ہوا کہ شیخؒ کے نزدیک بھی حسن لغیرہ حجت ہے۔

(۹) مزید عبد الرحمن مبارکپوریؒ ایک حدیث کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ کی ہے اور اس پر عمل بھی ہے۔(تحفۃ الاحوذی ۷/۳۶۷)

(۱۰) اہل حدیث محدث علامہ البانیؒ ایک مقام پر ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے نزدیک حسن لغیرہ ہے ، کیوں‌کہ وہ روایت ابو جعفر الباقر کی صحیح سند سے مرسلاً مروی ہے۔
اور (اس کا) پہلا طریق (علیؓ سے مروی ہے) اور دوسرا طریق ابن عباسؓ سے مروی ہے ، اس (مرسل روایت) کے (یہ دو طرق) شاہد ہیں اور ان دونوں طرق کا ضعف ہلکا ہے۔(ارواء الغلیل ۶/۳۳۴) لہذا معلوم ہوا کہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف حدیث کی تائید کسی صحیح مرسل سے ہوجائے ، تو وہ روایت قابلِ استدلال یعنی حسن لغیرہ ہوجاتی ہے۔
نیز اس سے **یہ بھی معلوم ہوا کہ جب مرسل کی تائید میں کوئی ضعیف حدیث آجائے، تو وہ مرسل بھی غیر مقلدین کے نزدیک حجت ہوتی ہے۔**

(۱۱) اہل حدیث کے ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر صاحب حسن لغیرہ کے دلیل ہونے کو سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ (ضعیف حدیث) کو مجموعہ متابع کی وجہ سے حسن قرار دیا جاتا ہے ، جس طرح ایک دھاگہ (Thread) اکیلا کمزور ہوتا ہے ، مگر جب کئی ایک دھاگے باہم مل جاتے ہیں تو مضبوط رسی بن جاتی ہے۔(التحدیث فی علوم الحدیث /۱۶۷)

نیز موصوف نے صفحہ ۱۶۷ پر لکھا ہے کہ حدیثِ حسن کی دو قسمیں ہیں :
۱ - حسن لذاتہ۔ ۲ - حسن لغیرہ۔
معلوم ہوا ڈاکٹر صاحب کے نزدیک بھی حسن لغیرہ ،حسن حدیث کی قسم میں سے ہے۔
اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حسن ، صحیح حدیث کی قسم ہے۔

(۱۲) غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولونا سلطان محمود صاحب مقبول حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مقبول کی چار قسمیں ہیں :
۱ - صحیح لذاتہ۔ ۲ - حسن لذاتہ۔ ۳ - صحیح لغیرہ۔ ۴ - حسن لغیرہ۔ (اصطلاحات المحدثین /۹)
معلوم ہوا کہ موصوف کے نزدیک بھی حسن لغیرہ مقبول ہے۔

الغرض ان حوالجات سے معلوم ہوا کہ غیرہ مقلدین کے نزدیک حسن لغیرہ ،حجت ہے۔ اور یہ حدیث حسن لغیرہ ہونے کی وجہ سے بھی حجت ہے۔ لہذا اس حدیث کو ضعیف کہنا صحیح نہیں ہے۔واللہ اعلم

الفرقان فی اثبات الفرق بین صلاۃ التہجد و صلاۃ التراویح فی شہر رمضان

رمضان میں تہجد ضرور پڑھیں (کیونکہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نماز ہیں، سلفِ صالحین سے ثبوت)

مولانا نذیر الدین قاسمی

رمضان کا بابرکت مہینہ ہے، اور لوگ عبادت میں اضافہ فرماتے ہیں، جہاں لوگ تراویح ادا کرتے ہیں، وہیں آخری شب میں بیدار ہو کر تہجد کا بھی اہتمام کرتے ہیں، کیونکہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نماز ہیں، اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر فاروقؓ (م ۲۳ھ) کا ارشادِ گرامی ہے:

حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں: "والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون، یرید آخر اللیل، و کان الناس یقومون أوّله" وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (یعنی تہجد کی نماز) وہ اس سے افضل ہے کہ جس کو تم قائم کر رہے ہو (یعنی تراویح)۔ (صحیح البخاری: حدیث نمبر ۲۰۱۰)

حضرت عمرؓ تراویح کے بعد تہجد کی بھی ترغیب دے رہے ہیں، جو کہ مستقل نماز ہے، اور اسی روایت کے تحت محدثین نے تراویح اور تہجد کے الگ الگ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(i) امام ابو الولی سلیمان الباجی القرطبیؒ (م ۴۷۴ھ) حضرت عمرؓ کے اسی جملے کے تحت فرماتے ہیں کہ " الصلاة فی النصف الآخر أفضل منها فی النصف الأول" آخری آدھی رات کا قیام افضل ہے پہلی آدھی رات کے قیام سے۔ (المنتقیٰ للباجی: ج ۱ ص ۲۰۸)

اس سے معلوم ہوا کہ آخری رات میں بھی قیام ہے، تراویح کے علاوہ۔

(ii) امام ابن بطالؒ (م ۴۴۹ھ) آدھی رات کا قیام پہلی رات سے کیوں افضل ہے؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والتی (ینامون) عنها أفضل یعنی القیام آخر اللیل، لحدیث التنزل و استجابة الرب -تعالی- فی ذلک الوقت لمن دعائ" آخری رات کا قیام (تہجد) اللہ تعالیٰ کے اس وقت نزول اور بندوں کے دعاء قبول ہونے کی وجہ سے افضل ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطالؒ: ج ۴ ص ۱۴۷)

(iii) امام ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ: "قوله: (والتی ینامون عنها أفضل) هذا تصریح منه بأن الصلاة فی آخر اللیل أفضل من أوّله" حضرت عمرؓ کے اس قول میں صراحت ہے کہ آخری رات کی نماز (تہجد) افضل ہے شروع رات کی نماز (تراویح) سے۔ (فتح الباری: ج ۴ ص ۲۵۳)

(iv) امام عینیؒ (م ۸۵۵ھ) بھی یہی فرماتے ہیں۔ "وفیه تصریح أن الصلاة فی آخر اللیل أفضل من أوله" (عمدۃ القاری: ج ۱۱ ص ۱۲۶)

(v) الشیخ الامام عبد القادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ) بھی حضرت عمرؓ کے اسی قول کی وجہ سے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے پر استدلال فرماتے ہیں۔ "والروایة الثانیة: أن ذلک جائز غیر مکروه، لکنه یؤخره لما روی عمر ﷺ قال: تدعون فضل اللیل آخره الساعة التی تنامون أحب الیٔ التی تقومون" (غنیۃ الطالبین ص ۲۶۹)

(vi) امام ابن الحاجؒ (م ۷۳۷ھ)[8] فرماتے ہیں "**وماقاله عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فانما هو محمول على غيرهم لا عليهم، اذأنهم رضى الله عنهم جمعوا بين الفضيلتين من قيام أول الليل وآخره**" حضرت عمرؓ کے فرمان کے مخاطب صحابہؓ نہیں، بلکہ دوسرے لوگ ہیں کیونکہ صحابہؓ دونوں فضیلتوں کو جمع کرتے تھے، یعنی رات کے اوّل حصہ میں تراویح اور آخری حصہ میں تہجد۔ (المدخل لابن الحاج: ص ۲۹۱ ج ۲)

لہٰذا حضرت عمرؓ تراویح پڑھنے کے بعد تہجد کی ترغیب دے رہے ہیں، یعنی ان کے نزدیک تہجد اور تراویح دو الگ الگ نماز ہیں، اور سلفِ صالحین نے بھی یہی وضاحت فرمائی ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

اعتراض: کفایت اللہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ (حضرت عمرؓ کا قول) اس بات کی دلیل ہے کہ عمر فاروقؓ تراویح اور تہجد کو ایک ہی نماز سمجھتے تھے، اور پھر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا قول پیش کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح اور تہجد کو ایک ہی نماز قرار دیا ہے۔ (مسنون تراویح: ص ۱۳/۱۴)

الجواب: کفایت اللہ سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ: "حضرت عمرؓ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ عمر فاروقؓ تراویح اور تہجد کو ایک ہی نماز سمجھتے تھے، باطل و مردود ہے، کیونکہ ہم نے سلفِ صالحین کے اقوال سے واضح کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک تہجد اور تراویح الگ الگ نماز ہیں، جیسا کہ تفصیل اوپر موجود ہے۔

اور رہا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا حوالہ تو جواب عرض ہے کہ خود غیر مقلدین حضرات عموماً کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے علاوہ سارے لوگوں سے خطا ہو سکتی ہے۔

تنبیہ: میں کہتا ہوں کہ جب سارے لوگوں سے غلطی ہو سکتی ہے، تو پھر علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے کیوں نہیں ہو سکتی؟

الغرض ہم کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علامہ کشمیریؒ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے، اور صحیح بات اس مسئلہ میں یہی ہے کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نماز ہیں، جیسا کہ خود حضرت کشمیریؒ کے شیوخ حضرت شیخ الہندؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، اور مفتی رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ حضرات نے فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے۔ (تصفیۃ العقائد: ص ۴) نیز اپنی ایک اور کتاب میں بھی تراویح اور تہجد کے دو الگ الگ نماز ہونے پر مدلل گفتگو فرمائی ہے، دیکھئے (الحق الصریح: ص ۳/۴)

مفتی رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ: نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح دو الگ الگ نماز ہیں۔ (الرأی النجیح: ص ۲) پھر آگے مفتی صاحبؒ نے ص ۱۰ تک تفصیلی بحث فرمائی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نماز ہیں۔

مزید شیخ الاسلام مولانا محمود الحسنؒ نے بھی تہجد اور تراویح کو الگ الگ قرار دیا ہے۔ (الورد الشذی: ص ۱۰۵) لہٰذا ان اکابر اہلِ سنت کی تحقیق حضرت کشمیریؒ کے قول پر مقدم ہے اور صحیح و راجح بات یہی ہے کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نماز ہیں۔

---

[8] جن کو علماء نے محدثِ، صالح، فقیہ، مشہور عالم و فاضل قرار دیا ہے۔ (ذیل التقیید ج ۱ ص ۲۵۸، الدیباج المذہّب ص ۳۲۱ ج ۲، حُسن المحاضرہ للسیوطی: ج ۱ ص ۴۵۹، الأعلام للزرکلی: ص ۳۵ ج ۶)

سوال: اہلِ حدیث حضرات سے ہمارا سوال ہے کہ سلف میں سے کون سے فقیہ یا محدث نے حضرت عمرؓ کے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک تہجد اور تراویح ایک ہی ہے ؟ برائے مہربانی سلفِ صالحین سے بسندِ صحیح حوالہ پیش فرمائیں، ورنہ حق کو تسلیم کریں کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک تہجد اور تراویح الگ الگ نماز ہے۔

(۲) امام المحدثین امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کا عمل:

امام بخاریؒ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے وہ نمازِ تراویح پڑھاتے تھے، اور ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے تھے، یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے، پھر سحر کو (نمازِ تہجد) میں نصف سے لے کر تہائی قرآن تک پڑھتے اور تین راتوں میں ختم کرتے اور دن میں قرآن ختم کرتے (جو) افطار کے وقت ختم ہوتا تھا، اور (یعنی امام بخاریؒ) سحر کے وقت تیرہ رکعت (تہجد کی) پڑھتے اور ایک رکعت وتر کی ہوتی۔ (تیسیر الباری: ص ۱۱ ج ۱)

ھدیۃ الساری میں ہیں کہ "امام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے وہ نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن کو ختم کرتے پھر سحر کو نصف سے لے کر تہائی قرآن پڑھتے، اور تین راتوں میں ختم کرتے، اور دن کو ایک ختم کرتے اور افطار کے وقت ختم ہوتا، اور کہتے تھے کہ ہر ایک ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، اور سحر کے وقت تیرہ رکعت پڑھتے ایک رکعت وِتر کی ہوتی۔" (ھدیۃ الساری لابن حجر: ص ۵۰۵)

اعتراض: اہلِ حدیث عالم حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں کہ: امام بخاریؒ سے بسندِ صحیح تراویح اور تہجد کا علیحدہ علیحدہ پڑھنا ثابت نہیں ہے، ھدیۃ الساری کا حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ (تعدادِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ: ص ۱۰۶)

الجواب: شعب الایمان للبیہقی میں امام بیہقیؒ نے ھدیۃ الساری کے قول کی سند پیش فرمائی ہے:

"أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أخبرني محمد بن خالد المطوعي، حدثنا مسيح بن سعيد، قال (كان) محمد بن اسماعيل البخارى۔" (شعب الایمان للبیهقی: ص ۵۲۴/۵۲۵ ج ۳، تاریخِ بغداد) اسکین ملاحظہ فرمائیے:

الجامع لشعب الإيمان

تأليف

الإمام الحافظ أبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي

٣٨٤هـ - ٤٥٨هـ

الجزء الثالث

حققه وراجع نصوصه وخرج أحاديثه

الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد

مكتبة الرشد ناشرون

٥٢٤ الجامع لشعب الإيمان

سمعت أبي يقول: هذا كتاب جدي عبيدالله بن سعد وقرأت فيه حدثنا عمي، عن أبيه قال: كان أبي سعد بن إبراهيم إذا كان ليلة إحدى وعشرين وثلاث وعشرين وخمس وعشرين وسبع وعشرين وتسع وعشرين لم يفطر حتى يختم القرآن وكان يختم فيما بين المغرب والعشاء الآخرة.

قال يعقوب: وكانوا يؤخرون العشاء الآخرة في رمضان تأخيرًا شديدًا..

[٢٠٥٨] أخبرنا أبوعبدالله الحافظ، أخبرني محمد بن خالد المطوعي، حدثنا مسبح بن سعيد، قال (كان) محمد بن إسماعيل البخاري إذا كان أول ليلة من شهر رمضان يجتمع إليه أصحابه فيصلي بهم فيقرأ في كل ركعة عشرين آية وكذلك إلى أن يختم القرآن،

= • وأبوه عبدالرحمن، أبومحمد الزهري (م٣٣٦هـ). ثقة أيضًا. «تاريخ بغداد» (١٠/ ٢٨٩ - ٢٩٠).

• وجده عبيدالله بن سعد، أبوالفضل البغدادي (م٢٦٠هـ). ثقة. من الحادية عشرة (خ د ت س).

• وعمه يعقوب بن إبراهيم بن سعد بن إبراهيم بن عبدالرحمن، أبويوسف المدني (م٢٠٨هـ). ثقة فاضل. من صغار التاسعة (ع).

• وأبوه إبراهيم بن سعد بن إبراهيم، أبوإسحاق المدني (م١٨٥هـ). ثقة حجة، تكلم فيه بلا قادح. من الثامنة (ع).

• وأبوه سعد بن إبراهيم، أبوإسحاق -أو أبوإبراهيم- القرشي المدني (م١٢٥هـ). قاضي المدينة. كان ثقة فاضلاً عابدًا. من الخامسة (ع). انظر مصادر ترجمته في «السير» (٥/ ٤١٨). والخبر أخرجه أبونعيم في «الحلية» (٣/ ١٧٠) من طريق محمد بن إسحاق عن عبيدالله بن سعد به.

[٢٠٥٨] إسناده: لا بأس به.

٥٢٥ الجامع لشعب الإيمان

وكذلك يقرأ في السحر ما بين النصف إلى الثلث من القرآن فيختم عند السحر في كل ثلاث ليال وكان يختم بالنهار كل يوم ختمة، ويكون ختمه عند الإفطار كل ليلة ويقول: عند كل ختمة دعوة مستجابة.

فصل

«في ترك المماراة في القرآن»

[٢٠٥٩] أخبرنا أبوعبدالله الحافظ، حدثنا أبوالعباس محمد بن يعقوب، حدثنا الحسن

[٢٠٥٩] إسناده: رجاله ثقات.

والحديث أخرجه أحمد في «مسنده» (٢/ ٢٨٦) عن حماد بن أسامة أبي أسامة به.

وأخرجه أحمد (٢/ ٥٠٣)، وعنه أبوداود في السنة (٥/ ٩ رقم٤٦٠٣) عن يزيد بن هارون، و(٢/ ٤٢٤) عن أبي معاوية، و(٢/ ٢٧٥) عن يحيى. وهو (٢/ ٥٢٨) وابن حبان كما في «الموارد» (٤٤ رقم٥٩) واللالكائي في «شرح السنة» (١/ ١١٦ رقم١٨٢) من طريق محمد بن عبيد. وأبونعيم في «أخبار أصبهان» (٢/ ١٢٣) من طريق محمد بن جناب بن نسطاس، عن ...

اور شعب الایمان کے محقق حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ اس کی سند میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ لہذا زئی صاحب کا اعتراض باطل و مردود ہے۔

(۴) الامام الحافظ المحدث ابو محمد اصفہانیؒ (م ۴۲۶ھ) کا عمل:

امام ابو محمد اصفہانیؒ جو کہ امامِ خطیب بغدادیؒ کے استاذ ہیں، ان کے بارے میں منقول ہے کہ "أدرک ابن اللبان شھر رمضان من سنة سبع وعشرین وأربعمأة وھو ببغداد، وکان یسکن درب الآجر من نھر طابق، فیصلي بالناس صلاة التراویح في جمیع الشھر، وکان اذا فرغ من صلاته في کل لیلة، لا یزال قائما في المسجد یصلي حتی یطلع الفجر" وہ پورے رمضان میں تراویح پڑھاتے تھے، اور ہر روز جب تراویح سے فارغ ہوتے تھے تو مسجد ہی میں نمازِ تہجد پڑھتے رہتے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی تھی۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۴۳ ج ۱۰)

ارشادات سلف و فقہاء و محدثین :

(۵) امام ابن رشدؒ (م ۵۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ "وأن التراویح التي جمع علیھا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الناس مرغب فیھا، وان کانوا اختلفوا أي أفضل أھي أو الصلاة آخر اللیل؟ أعني التي کانت صلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لکن الجمھور علی أن الصلاة آخر اللیل أفضل، لقوله علیه الصلاة والسلام "أفضل الصلاة صلاتکم في بیوتکم الا المکتوبة"" اور بے شک وہ تراویح جس پر عمر بن خطابؓ نے جمع کیا اسی کی ترغیب دی جاتی ہے، لیکن علماء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ اوّل رات کی تراویح افضل ہے یا اخیر رات کی نماز (تہجد) افضل ہے، جو اخیر رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی۔ جمہور کے نزدیک اخیر رات کی نماز (تہجد) افضل ہے۔ (بدایۃ المجتہد: ص ۲۱۰ ج ۱)

(۶) امام ابو اسحٰق الشیرازیؒ (م ۴۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ "ویقوم شھر رمضان بعشرین رکعة في الجماعة التراویح، ویوتر بعدھا في الجماعة الا ان یکون له تھجد، فیجعل الوتر بعده" رمضان کے مہینہ میں جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح پڑھے اور اس کے بعد وِتر پڑھے جماعت کے ساتھ، اگر اس کا تہجد کا ارادہ ہو تو وِتر تہجد کے بعد پڑھے۔ (التنبیہ للشیرازی: ص ۳۴ ج ۱)

یہی بات مختلف الفاظ کے ساتھ......

(۷) امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ)[9] اور

(۸) امام شرف الدین موسیٰ بن احمد المقدسیؒ (م ۹۶۸ھ)[10] نے بھی کہی ہے۔[11]

---

[9] امام نوویؒ کے الفاظ یہ ہیں "(فرع) اذا استحببنا الجماعة في التراویح استحبت الجماعة أیضا في الوتر بعدھا، باتفاق الاصحاب، فان کان له تھجد لم یوتر معھم بل یؤخره الیٰ آخر اللیل"۔ (المجموع للنووی: ص ۵ ا ج ۱)

[10] آپؒ کو علماء نے شیخ الاسلام، امام، علامہ، محدث، عالم مفتی اور متقی وفقیہ قرار دیا ہے، دیکھئے شذرات الذھب: ص ۴۷۲ ج ۱۰، الکواکب النجم الدین: ص ۹۳ ج ۳، الاعلام للزرکلی: ص ۳۲۰ ج ۷۔

[11] امام شرف الدین موسیٰ المقدسیؒ کے الفاظ یہ ہیں: "ووقتھا بعد العشاء وسنتھا قبل الوتر الی طلوع الفجر الثاني، وفعلھا في مسجد، وأول اللیل أفضل، ویؤتر بعدھا في الجماعة بثلاث رکعات، فان کان له تھجد جعل الوتر بعده والا صلاه" (الاقناع للمقدسی: ص ۱۴۷ ج ۱)

(۹) **امام ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰؁ھ)** فرماتے ہیں کہ "ثم التراویح وھی عشرون رکعة یقوم بھا فی رمضان فی جماعة، ویوتر بعدھا فی الجماعة، فان کان لہ تھجد جعل الوتر بعدہ" پھر تراویح بیس رکعت ہے رمضان میں تراویح اور وِتر دونوں جماعت کے ساتھ پڑھے، **لیکن تراویح کے بعد تہجد پڑھنے والا آدمی وِتر تہجد کے بعد پڑھے۔** (المقنع للمقدسی: ص۵۸)

(۱۰) **امام ابن الحاجؒ (م ۷۳۷؁ھ)** فرماتے ہیں کہ "ثم یخرج فیصلی مع الناس ویوتر معھم .... ثم ینام ما قدر لہ، ثم یقوم لتھجدہ فیصلی ماتیسر لہ مابقی علیہ من اللیل" (آدمی کے لئے مناسب ہے کہ) لوگوں کے ساتھ تراویح اور وِتر پڑھے، پھر سوجائے، اور اُٹھنے کے بعد نمازِ تہجد کے لئے کھڑا ہوجائے۔ (المدخل لابن الحاجؒ: ص۲۹۲ ج۲)

(۱۱) **امام ابن الملقنؒ (م ۸۰۴؁ھ)** بھی تہجد اور تراویح کو دو الگ الگ نمازیں بتاتے ہیں۔[12]

(۱۲) **الامام الشیخ عبد القادر جیلانیؒ (م ۵۶۱؁ھ)** فرماتے ہیں کہ "والروایة الثانیة: أن ذلک جائز غیر مکروہ، لکنہ یؤخرہ لما روی عمر رضی اللہ عنہ قال: تدعون فضل اللیل آخرہ الساعة التی تنامون أحب الیّ التی تقومون" تراویح کے بعد تہجد کے بارے میں دو قول ہے: ایک یہ کہ تراویح کے بعد کچھ نیند کر کے پھر اُٹھ کر تہجد پڑھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تراویح کے بعد بغیر نیند کئے تہجد جائز ہے بلا کراہت۔ (غنیة الطالبین: ص۲۶۹)

الغرض جمہور فقہاء و محدثین اور علماء کا یہی کہنا ہے کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں، اور یہ جو غیر مقلدین حضرات کہتے ہیں کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے، اس پر ان کے پاس کوئی صاف صریح دلیل نہیں ہے، بلکہ صرف قیاس ہے جو کہ بلا دلیل مردود ہے۔

مزید ہمارے علم کے مطابق سلفِ صالحین میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے صراحتاً کہا ہو کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے، اگر اہلِ حدیث حضرات کے پاس ایسا کوئی حوالہ سندِ صحیح کے ساتھ ہو تو پیش کریں، ورنہ اُن کا اپنے مسلکی تعصب کی وجہ سے حق کا انکار کرنا بے کار ہے۔

(۱۳) **اخیر میں امام ابراہیم نخعیؒ (م ۹۶؁ھ)** کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ "کان الامام یصلی بالناس فی المسجد، والمتھجدون یصلون فی نواحی المسجد لأنفسھم" کچھ لوگ امام کے ساتھ مسجد میں نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے، اور کچھ لوگ مسجد کے ایک کونے میں تہجد پڑھ رہے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ص۲۳۴ ج۵، حدیث نمبر ۷۸۰۹، صحیح سند)

نوٹ: اس روایت میں امام اعمشؒ مدلّس ہیں، لیکن ان کی تدلیس قابلِ قبول ہے، کیونکہ وہ طبقاتِ ثانیہ کے مدلّس ہیں۔ (المدلّسین للعراقی: ص۱۰۹ ج۱)۔ مزید ایک اور سند میں مغیرہ بن مِقسمؒ نے امام اعمشؒ کی متابعت کر رکھی ہے۔

---

[12] الفاظ یہ ہیں: "وثلاث نوافل مؤکدة: التھجد وھو الصلاة باللیل وان قلّ، والضحی وأقلھا رکعتان وأکثرھا ثمان والتراویح وھی عشرون لغیر أھل المدینة......" (التذکرة لابن الملقن علیہ الرحمہ: ص ۲۶ ج۱)

”حدثنا أبو بکر قال: ثنا أبو الأحوص، عن مغیرۃ، عن ابراھیم قال: (کان المتھجدون یصلون فی جانب المسجد و الامام یصلی بالناس فی شھر رمضان۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ص ۲۳۳/۲۳۴ ج ۵)

الغرض یہ روایت صحیح ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے زمانے میں (یعنی سلف کے زمانے میں) بھی تراویح کے علاوہ تہجد کا بھی اہتمام تھا۔

بس اللہ تعالیٰ حق کو قبول اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ **رمضان میں صبح سے شام تک درس جاری رکھتے۔ رات بحالت قیام ۲ دفعہ قرآن مجید سنتے، ایک دفعہ اول رات تراویح میں حافظ احمد محدث اور فقیہ سے ۳ پارے ترتیل اور تجوید کے ساتھ سنتے، پھر نماز تہجد میں اپنے پوتے حافظ عبد السلام سے ایک پارہ روزانہ سنتے**۔ (نتائج تقلید: ص ۲۹، بحوالہ رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ: ص ۲۴)، اسی طرح الشیخ القدوۃ الإمام العالم المحقق الفقیہ الحافظ علي بن عبد اللہ أبو الحسن الزیات الکلبي، إشبیلي علیہ السلام (م ۷۳۶ھ) بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے جیسا کہ ان کے شاگرد الشیخ، العمدۃ، العالم، المحقق، الفاضل، الصالح، المحدث، البارع، الناسك، صاحب بھجۃ النفوس، إمام أبو محمد بن أبي جمرۃ علیہ السلام (م ۶۹۵ھ) نے فرمایا ہے۔ اور خود امام ابو محمد بن أبي جمرۃؒ (م ۶۹۵ھ) بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے جیسا کہ ان کے شاگرد امام ابن الحاجؒ (م ۷۳۷ھ) فرماتے ہیں۔ (المدخل لابن الحاج: ج ۲ : ص ۲۹۱-۲۹۲) اور زبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق امام ابن الحاجؒ بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کے قائل ہے۔ (انوار الطریق صفحہ ۸) اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (جن کو غیر مقلدین اہل حدیث قرار دیتے ہیں) حدیث عائشہؓ کے بار میں تحریر کرتے ہیں کہ **’حضرت عائشہؓ جس نماز کا ذکر کر رہی ہے اس سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ اس کو صلاۃ اللیل کہتے ہے۔ لیکن تراویح کی نماز اس کے علاوہ ہے کہ محدثین کرام کے عرف میں اسے قیام رمضان کہتے ہیں‘**۔ (حاشیہ مالابدہ منہ: ص ۸۷) لیجئے بقول غیر مقلدین کہ اہل حدیث عالم شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے نزدیک بھی تراویح اور تہجد کو ’۲‘ الگ الگ نمازے ہے۔

ھدیۂ تشکر

الاجماع فاؤنڈیشن کتابوں کے اپلوڈنگ کے سلسلے میں حضرت مولانا خادم حسین بدر صاحب حفظہ اللہ اور ان کی ساتھیوں کا خاص طور سے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالی حضرت مولانا اور ان کے ٹیم کی خدمات کو قبول فرمائے اور کتابوں کے نفع کو عام فرمائے اور ان کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے۔۔۔ آمین

ادارہ: الاجماع فاؤنڈیشن

استقر الامر علی عشرین رکعة

(مسنون تراویح احادیث وسلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں)

مولانا نذیر الدین قاسمی

تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے جیسا کہ فتاوی علماء حدیث ۶ / ۲۴۱ پر موجود ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ "التَرَاوِيحُ جَمْعُ تَرْوِيحَةٍ وَهِيَ الْمَرَّةُ الْوَاحِدَةُ مِنَ الرَّاحَةِ كَتَسْلِيمَةٍ مِنَ السَّلَامِ" تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ (فتح الباری، ۲۵۰/۴)

لفظ تراویح کا ثبوت: حضرت سوید بن غفلہؒ[13] علی بن ربیعہؒ[14] شتیر بن شکلؒ[15] سے صحیح اسناد کے ساتھ تراویح کا لفظ ثابت ہے۔

سوید بن غفلہؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں : كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي **خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ** عِشْرِينَ رَكْعَةً۔

علی بن ربیعہؒ کی روایت یہ ہیں : عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ ؛ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ **خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ** وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ۔

شتیر بن شکلؒ کی روایت: عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ : أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي **خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ** فِي رَمَضَانَ وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ۔(السنن الکبری للبیہقی، ۲/۶۹۹، مصنف ابن ابی شیبہ، ۵/ ۲۲۰-۲۲۵)

تحقيق ركعات التراويح في عهد الفاروق۔(کفایت اللہ کو جواب)

روایت نمبر ۱ : (الاحادیث المختارہ کی روایت)

(۱)　　حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ "أَنَّ عُمَرَ أَمَرَ أُبَيًّا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ۔۔۔۔۔۔فَصَلَّى بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَة" حضرت عمر بن خطابؓ نے حکم دیا کہ میں رمضان شریف کی رات میں نماز (تراویح) پڑھاؤں۔۔۔۔تو ابی بن کعبؓ نے لوگوں کو ۲۰ رکعات (تراویح) پڑھائی۔(الاحادیث المختارہ:۱۱۶۱، امام ضیاء الدین مقدسیؒ نے اس کو صحیح کہا ہے جیسا کہ غیر مقلد عالم حافظ زبیر علی زئی اصول ہے، تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ، ص:۲۳)[16]

---

[13] جو کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے ساتھ ساتھ، ابن مسعودؓ، ابی ذر غفاریؓ، ابو درداءؓ، سلیمان بن ربیعہؓ، بلالؓ، حسن بن علیؓ، ابی بن کعبؓ، عوف بن مالکؓ، وغیرہ کے شاگرد رشید ہیں۔

[14] جو کہ سلمان فارسیؓ، سمرہ بن جندبؓ، ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، وغیرہ کے شاگرد ہیں۔

[15] جو کہ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ام المؤمنین حضرت حفصہؓ، ام حبیبہؓ اور حضرت شکل بن حمیدؓ وغیرہ کے شاگرد ہیں۔

[16] اس حدیث کی سند میں ابو جعفر الرازیؒ (م ۱۷۰ھ) ہے جن کو امام یحیی ابن معینؒ، علی ابن المدینیؒ، محمد بن عبد اللہ بن عمار الموصولیؒ، ابو حاتمؒ، الحاکمؒ، ابن عبد البرؒ، محمد بن سعدؒ، ابن شاہینؒ وغیرہ ائمہ محدیثین نے ثقة قرار دیا ہے۔ حافظ ابن عدیؒ کہتے ہیں : لهٔ أحاديث صالحة، وقد روى عنه الناس، وأحاديثه عامتها مستقيمة، وأرجو أنه لا بأس به، ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ نے صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ امام زکریا ابن یحیی الساجیؒ صدوق لیس بمتقن کہتے ہے۔ جن روایات میں ابو جعفر الرازیؒ ثقات کی

اعتراض : کفایت اللہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں : ابو جعفر الرازی برے حافظہ والا ہے۔امام زرعہ رازیؒ نے کہا ہے کہ یہ شیخ ہیں ، بہت زیادہ وہم کا شکار ہوتے ہیں ، ابن حبانؒ نے کہا کہ مشہور لوگوں سے منکر روایت کے بیان میں منفرد ہوتے تھے ، ان کی حدیث سے حجت پکڑنا مجھے پسند نہیں ، مگر یہ کہ ثقہ رواۃ سے ان کی تائید مل جائے۔اگے کہتے ہیں کہ بعض نے اس کی مجمل توثیق کی ہے۔جو جرح مفسر مقابلہ میں مقبول نہیں ہے۔(مسنون رکعات التراویح : ص ۹۵-۹۶)،غیر مقلد عالم حافظ زبیر علی زئی کہتے ہیں کہ ابو جعفر الرازی کی الرَّبِیعِ بْنِ أَنَسٍ سے روایت میں بہت زیادہ اضطراب ہوتا ہے۔(تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ،ص:۷۴)

الجواب :

اولاً : خود زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ **"ہمارے نزدیک یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ فلاں امام نے فلاں راوی کو کذاب (جو کہ جرح مفسر ہے) یا ضعیف کہا ہے ، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جمہور کس طرف ہیں ؟ جب جمہور محدثین سے ایک قول (مثلاً توثیق یا تضعیف) ثابت ہوجائے ، تو اس کے مقابلہ میں ہر شخص یا بعض اشخاص کی بات مردود ہے ، اور جرح وتعدیل میں تعارض کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ہی ترجیح**

موافقت کرے،تو اس وقت امام ابن حبانؒ انہی قابل احتجاج بتایا ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں : کان ینفرد عن المشاھیر بالمناکیر , لا یعجبنی الاحتجاج بحدیثہ إلا فیما وافق الثقات اور ان کی ۲۰ رکعات تراویح والی یہ روایت بھی ثقات کے موافق ہیں۔(تہذیب التہذیب،۱۲/۵۶، تاریخ الاسلام للذھبی،۴/۲۵۹، الثقات لابن شاہین،۱/۱۷۷)۔

اسی طرح امام ترمذیؒ، امام ابن خزیمہؒ، امام ابو عوانہؒ، امام ذہبیؒ، امام حاکمؒ، امام بغویؒ، امام ضیاء الدین مقدسیؒ، امام دار قطنیؒ،امام بیہقیؒ، امام نوویؒ، امام ابو عبد اللہ محمد بن علی البلخیؒ، حافظ زین الدین عراقیؒ، حافظ ابن الصلاحؒ،حافظ ابو العباس قرطبیؒ، امام ابن ملقنؒ، امام ابو عبد اللہ القرطبیؒ، امام سیوطیؒ، امام ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (سنن ترمذی حدیث /۳۳۶۵، صحیح ابن خزیمہ /۱۴۷۹، صحیح ابی عوانہ /۱۵۴۹،مستدرک الحاکم مع التلخیص ۲/۳۰۳ ، حدیث /۳۰۹۱،شرح السنۃ للبغوی ۸/۲۲۸، حدیث ۲۱۶۴،طرح التثریب ۲/۲۸۹،انوار الطریق،از علی زئی:ص۸،البدر المنیر ۳/ ۶۲۲ -۶۲۵،تفسیر قرطبی ۴/۲۰۱،الاتقان للسیوطی ۴/۴۴۸،نتائج الافکار ۲/۱۲۹)

جب کسی حدیث کو کوئی محدث صحیح قرار دے ، تو ان کا صحیح کہنا کفایت صاحب ، علی زئی او ر دوسرے اہل حدیث کے نزدیک اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔(نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں /۱۷،انوار البدر /۲۷)اس لحاظ سے بھی ابو جعفر الرازیؒ ثقہ ہیں :امام ذہبیؒ انہیں صالح الحدیث کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ۳/۳۱۹) امام ابو الفضل محمد بن طاہر بابن القیسرانیؒ(م ۵۰۷ھ) کہتے ہیں کہ ابو جعفر ارجو أنہ لا بأس بہ۔(ذخیرۃ الحفاظ ۳/۱۷۷۴) امام حازمیؒ ثقہ کہتے ہیں ، ابن دقیق العیدؒ کہتے ہیں کہ ان کو لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔(البدر المنیر ۳/۶۲۲-۶۲۴) امام عبد الحق اشبیلیؒ کے نزدیک بھی وہ ثقہ ہیں۔ (الاحکام الکبریٰ ۱/۳۸۴) اہل حدیث عالم شیخ احمد شاکر بھی ابو جعفر الرازی کو ثقہ کہتے ہیں۔(مسند احمد ، بتحقیق احمد شاکر ، حدیث /۶۶۰) حافظ ہیثمیؒ کہتے ہیں :وفی ابی جعفر کلام لا یضر وھو ثقۃ۔(مجمع الزوائد ، حدیث/۱۱۹۴۶)حافظ بوصیریؒ بھی ابو جعفرؒ کو ثقہ کہتے ہیں۔(اتحاف الخیرۃ المھرۃ ۶/۱۶۴)امام شعبہؒ نے ابو جعفرؒ سے روایت کیا ہے اور کفایت اللہ اور علی زئی کے نزدیک وہ صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔(انوار البدر /۱۳۲) (نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام /۴۴) لہذا ابو جعفر الرازیؒ(م ۱۷۰ھ) جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔

حاصل ہے۔(مقالات ۱۴۳/۶)" لہذجب ابو جعفر الرازیؒ (م ۱۶۰ھ) جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔تو خود علی زئی کے اصول کی روشنی میں ان کا یہ اعتراض باطل ومردود ہے۔

دوم: جہاں تک کفایت صاحب کا ابن حبانؒ کا یہ قول نقل کرنا کہ ابو جعفر مشہور لوگوں سے منکر روایت نقل کرنے میں منفرد ہوتا تھا، تو خود کفایت اللہ صاحب نے اسی کتاب مسنون رکعات تراویح کے صفحہ /۲۳ پر لکھا ہے کہ **امام ابو داؤد نے اس راوی میں منکر الحدیث صرف اس معنٰی میں کہا ہے کہ انہوں نے منکر روایت نقل کی ہے ، اور صرف اتنی سی بات سے کسی راوی کی تضعیف ثابت نہیں ہوتی** ، اسی طرح ایک اور کتاب میں کفایت صاحب لکھتے ہیں کہ **مناکیر روایت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ روایت کرنے والا ہی اس کا ذمہ دار ہے**۔(انوار البدر /۱۷۲)

لیجئے جب اپنے پسندیدہ راوی پر منکر روایت کرنے کا الزام آیا، تو اس کا دفاع کردیا، لیکن اپنے مسلک کے خلاف میں آنے والی روایت کے راوی ابو جعفر الرازی پر کفایت صاحب نے یہی کلام نقل کرکے جرح کردی ، کیا یہی انصاف کا نام ہے۔ الغرض خود کفایت صاحب کے اصول کی روشنی میں ابن حبانؒ کی جرح صحیح نہیں ہے۔

پھر خود کفایت صاحب بھی یہ اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن حبانؒ جرح میں متشدد ہیں ، اس لئے ثابت شدہ صریح توثیق کے مقابلہ میں ان کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔(انوار البدر /۱۲۷) لہذا انہیں کے اصول کی روشنی میں یہاں بھی متشدد ہونے کی وجہ سے ابن حبانؒ کی جرح مردود ہے۔

سوم : خود ابن حبانؒ نے وضاحت کی ہے کہ جب ابو جعفر الرازیؒ ثقہ کی موافقت کریں ، تو وہ قابل احتجاج ہے ، جیسا کہ کفایت صاحب نے نقل کیا ہے اور یہاں بھی بیس رکعات تراویح کی روایت میں ابوجعفر الرازیؒ نے ثقات کی موافقت کی ہے ، مثلاً یزید بن خصیفہؒ **(ثقہ،ثبت، مامون)** امام مالک بن انسؒ **(ثقۃ،امام)** یحییی بن سعید الأنصاریؒ **(ثقہ،امام،ثبت)** ہشیم بن بشیرؒ **(ثقہ،ثبت)** کی موافقت ابو جعفر الرازیؒ نے کی ہے ، لہذا ان کی جرح کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور رہا ابن حبانؒ کی جرح کہ ابوجعفرؒ کا ربیع بن انسؒ کی روایت میں مضطرب ہونا ، تو **"ابوجعفر الرازی عن الربیع بن أنس"** کی سند کو امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) امام بغویؒ (م ۵۱۶ھ) امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) امام ابو عبد اللہ محمد بن علی البلخی (م ۲۹۸ھ) حافظ زین الدین عراقیؒ (م ۸۰۶ھ) حافظ ابن الصلاحؒ (م ۶۴۳ھ) حافظ ابو العباس قرطبیؒ (م ۶۵۶ھ) امام ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) امام ابو عبد اللہ القرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) امام حازمیؒ (م ۵۸۴ھ) اور امام ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ محدثین نے صحیح کہا ہے ، جن کے حوالجات ابو جعفر الرازیؒ کی توثیق کے سلسلے میں گزرچکے۔ لہذا ان تمام محدثین کی تحقیق ابن حبانؒ کے قول پر مقدم ہے ، الغرض راجح قول میں یہ ۲۰ رکعات تراویح کی سند صحیح ہے۔

چہارم : خود زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ جو راوی (جمہور کے نزدیک) کثیر الغلط ، کثیر الخطاء اور سیء الحفظ (برے حافظے والا) وغیرہ ہو ، اس کی منفرد حدیث ضعیف ہوتی ہے،(نورالعینین:ص۶۳)اور ابوجعفر الرازیؒ **جمہور کے نزدیک** نہ کثیر الغلط، نہ کثیر الخطاء ، اور نہ ہی وہ سیء

الحفظ (بڑے حافظہ والے) ہیں ، پھر وہ منفرد بھی نہیں ، تو ان کی یہ روایت کیوں کر ضعیف ہو سکتی ہے۔ پھر ابو جعفر الرازیؒ کے ۶،۶ متصل اور مرسل متابعات موجود ہیں ، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ لہذا ان پر ہر طرح کی جرح مردود ہے۔

روایت نمبر ۲ : (بیہقی کی روایت پر بحث)

(۲) حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ "کنانقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر" ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ۲۰ رکعات (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ (معرفۃالسنن والآثار للبیہقی، حدیث نمبر ۵۴۰۹) اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔[17]

دوسری سند:

حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں "كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً" قَالَ: "وَكَانُوا يَقْرَءُونَ بِالْمَئِينِ، وَكَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عِصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ" کہ لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں ۲۰/رکعات تراویح پابندی سے پڑھتے تھے۔ سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی دو سو آیات تلاوت کرتے تھے ، اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور میں لوگ (قیام کے لمبا ہونے کی وجہ سے) اپنی (لاٹھیوں پر) ٹیک لگاتے تھے۔ (سنن کبری للبیہقی ۲/۶۹۸ ، حدیث /۴۲۸۸)

اس روایت کے بھی سارے راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔[18]

---

[17] اس سند کے رواۃ کی تفصیل یہ ہے:

۱- امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) مشہور ثقہ محدث ہیں۔ (تاریخ الاسلام)

۲- ابو طاہر الفقیہؒ (م ۴۱۰ھ) کا نام محمد بن محمد بن محمش ابو طاہر الفقیہ الزیادیؒ ہے۔ امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے آپؒ کو فقیہ، علامہ، القدوۃ اور شیخ خراسان، اور نیساپور کے اصحاب الحدیث کے امام قرار دیا ہے۔ (تاریخ الاسلام ۹/۱۵۷، سیر اعلام النبلاء ۱۷/۲۷۶) امام سبکیؒ (م ۷۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ شیخ ابو الطاہر زیادیؒ اپنے زمانہ میں نیساپور کے امام المحدثین والفقہاء تھے۔ (طبقات الشافعیۃ ۴/۱۹۸) امام خلیلیؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ متفق طور پر ثقہ ہیں۔ (الارشاد للخلیلی ۳/۸۶۲) لہذا آپ ثقہ ہیں۔

۳- ابو عثمان البصریؒ جن کا عمرو بن عبد اللہ بن درہم ابو عثمان البصریؒ ہے۔ امام ذہبیؒ آپؒ کو امام، القدوۃ، زاہد، صالح اور مسند نیساپور قرار دیتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۵/۳۶۴-۳۶۵، تذکرۃ الحفاظ ۳/۴۵) نیز امام بیہقیؒ، امام ضیاء الدین المقدسی ، امام ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کی روایت کو صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار ۳/۱۵، حدیث /۳۸۴۵، المختارۃ ۶/۴۷، حدیث /۲۰۱۸، الامالی المطلقہ /۷۷-۷۸) اور محدثین کا کسی روایت کو صحیح یا حسن کہنا غیر مقلدین کے نزدیک اس روایت کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں /۱۷، انوار البدر /۲۷) ۔معلوم ہوا کہ ابو عثمان البصریؒ ثقہ ہیں۔

۴- امام ابو احمد محمد بن عبد الوہابؒ ، سنن نسائیؒ کے راوی ہیں اور ثقہ عارف۔ (تقریب ، رقم :۶۱۰۴)

۵- خالد بن مخلدؒ (م ۲۱۳ھ) صحیحین کے راوی اور صدوق ہیں۔ (تقریب ، رقم : ۱۶۷۷)

۶- محمد بن جعفر الانصاری بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب ، رقم : ۵۷۸۴)

۷- یزید بن خصیفہؒ بھی ثقہ ہیں۔ (تقریب ، رقم :۷۷۳۸) مزید دیکھئے **ص:۲۱۔**

۸- سائب بن یزیدؓ (م ۹۱ھ) صحابی رسول ہیں۔ (تقریب)

نوٹ: (۱) یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ امام علی بن الجعدؒ (م ۲۳۰؁ھ) کی اپنی کتاب مسند علی بن الجعد میں بھی موجود ہے۔دیکھئے (مسند علی بن الجعد ،صفحہ ۴۱۳، حدیث ۲۸۲۵، واسنادہ صحیح)

نوٹ: (۲) اس روایت میں امام علی بن الجعدؒ (م ۲۳۰؁ھ) کی متابعت امام یزید بن ہارونؒ (م ۲۰۶؁ھ) نے بھی کر رکھی ہے۔(کتاب الصیام للفریابی ، صفحہ / ۱۳۱ ، حدیث /۱۷۶۔واسنادہ صحیح) لہذا اس روایت میں علی بن الجعدؒ اعتراض کرنا بھی بے کار ہے۔

کیا بیس رکعت تراویح کی روایت کو کسی محدث نے صحیح کہا ہے ؟

درج ذیل محدثین نے بیس رکعات تراویح کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

۱ - امام نوویؒ (م ۶۷۶؁ھ)۔(خلاصۃ الاحکام للنووی ۱/۵۷۶)
۲ - امام فخر الدین الزیلعیؒ (م ۷۴۳؁ھ)۔(تبیین الحقائق ۱/۱۷۸)
۳ - امام تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵۶؁ھ) ۔(شرح المنہاج للسبکی بحوالہ المصابیح ، صفحہ /۴۱)
۴ - امام ابن الملقنؒ (م ۸۰۴؁ھ) ۔(البدر المنیر لابن الملقن ۴/۳۵۰)
۵ - امام ولی الدین العراقیؒ (م ۸۲۶؁ھ)۔ (طرح التثریب للعراقی ۳/۹۷)
۶ - امام بدر الدین العینیؒ (م ۸۵۵؁ھ) ۔(العنایہ للعینی ۲/۵۵۱)
۷ - امام جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱؁ھ) ۔(المصابیح للسیوطی ، صفحہ /۲۸، ۳۰)
۸ - امام قسطلانیؒ (م ۹۲۳؁ھ) ۔(ارشاد الساری ۳/۴۲۶)
۹ - امام ، شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ (م ۹۲۶؁ھ) ۔(فتح الوھاب ، للامام زکریا الانصاری ۱/۵۸)
۱۰ - محدث ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴؁ھ) ۔(شرح النقایہ للامام ملا علی قاری ۱/۳۴۱)
۱۱ - حافظ محمد مرتضیٰ زبیدیؒ (م ۱۲۰۵؁ھ) ۔(اتحاف سادات المتقین للزبیدی ۳/۴۱۵)
۱۲ - امام نیمویؒ (م ۱۳۲۲؁ھ) ۔(آثار السنن /۲۵۱)

معلوم ہوا کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

---

[18] اس روایت کے راویوں کا تعارف یہ ہے :
۱-امام بیہقیؒ (م ۴۵۸؁ھ) ثقہ محدث ہیں۔(تاریخ الاسلام)
۲- ابو عبد اللہ حسین بن عبد اللہ الدینوریؒ (م ۴۱۴؁ھ) بھی ثقہ ہیں۔(المنتخب من کتاب السیاق لتاریخ نیسابور /۱۹۳)
۳- امام احمد بن محمد بن اسحق السنیؒ (م ۳۶۴؁ھ) بھی معتبر ہیں۔(کتاب الثقات للقاسم ۱/۴۸۴)
۴-امام ابو القاسم البغوی (م ۳۱۷؁ھ) مشہور امام اور ثقہ ہیں۔(کتاب الثقات للقاسم ۲/۱۱۶)
۵-امام علی الجعدؒ (م ۲۳۰؁ھ) صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ ومضبوط۔(تقریب ، رقم : ۴۶۹۸)
۶- محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذئبؒ (م ۱۵۹؁ھ) صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ ، فقیہ اور فاضل ہیں۔(تقریب ، رقم : ۶۰۸۲)
۷-یزید بن خصیفہؒ۔
۸-سائب بن یزیدؓ کی توثیق اوپر گذرچکی۔ الغرض اس روایت کے سبھی راوی ثقہ ہیں۔

اور ہمارے علم کے مطابق **عبد الرحمن مبارکپوری سے پہلے** کسی ایک محدث نے بھی اس روایت کو ضعیف نہیں کہا ہے۔ لیکن پھر بھی کفایت صاحب اس روایت کو ضعیف ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اب کچھ غیر مقلد اہل حدیث ، سلفی علماء کے حوالے ملاحظہ فرمایئے ، جنھوں نے اس روایت کو صحیح کہا یا اس کی تحسین کی ہے :

۱ - عبد الرحمن المعلمی الیمانیؒ، جس کو کفایت صاحب **امیر المومنین فی اسماء الرجال، فقیہ اسماء الرجال، علامہ، محدث** کہتے ہیں ۔(انوار البدر /۳۴۳) انہوں نے ہماری بیہقی والی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔(کتاب قیام رمضان /۵۷)

اسکین:

علي العصي وما كنا ننصرف إلاَّ في بزوغ الفجر». وفي «فتح الباري»: «أن سعيد بن منصور رواه من طريق محمد بن إسحاق «حدثني محمد بن يوسف عن جده، السائب بن يزيد قال: كنا نصلي في زمن عمر في رمضان ثلاث عشرة». وحمل هذا على بعض الليالي والغالب إحدى عشرة كما في رواية مالك، وعلم من رواية مالك وغيرها أن القوم كانوا يقومون ثلث الليل أو أكثر، فيشق عليهم طول الوقوف كما مر، فروى مالك في «الموطأ»[1] عن يزيد بن رومان أنه قال: «كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاثٍ وعشرين» وفي «سنن البيهقي»[2] بسندٍ صحيح عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال «كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب ـ رضي الله عنه ـ في شهر رمضان بعشرين ركعة...»، قال البيهقي: «يمكن الجمع بين الروايتين فإنهم كانوا

(١) ١:١١٥. المؤلف.
(٢) ٢:٤٩٥.

٥٧

۲ - شیخ عبد القادر الارنؤوطؒ۔ (جامع الاصول بتحقیق عبد القادر الارنؤوط ۲/۱۲۳،۱۲۴)

اسکین:

في

أحاديث الرسول

تأليف

الامام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد ، ابن الأثير الجزري

٥٤٤ - ٦٠٦ هـ

حققه نصوصه ، وخرج أحاديثه ، وعلق عليه

عبد القادر الأرناؤوط

الجزء السادس

نشر وتوزيع

مكتبة الحلواني　　مطبعة الملاح　　مكتبة دار البيان

ﷺ ، وإنما قطعها إشفاقاً من أن تُفرَض على أمته ، وكان عمر ممن نبَّه عليها وسنَّها على الدوام ، فله أجرُها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة ، وقد قال في آخر الحديث «والتي تنامون عنها أفضل» تنبيها منه على أن صلاةَ آخِرِ الليل أفضل ، قال : وقد أخــذ بذلك أهل مكة ، فإنهم يصلُّون التراويح بعد أن يناموا .

٤٢٢٣ — (ط ـ السائب بن يزيد) قــال : « أمر عمرُ أُبيَّ بنَ كعبٍ وتميماً الداريَّ : أن يقوما للناس في رمضان بإحدى عشرة ركعةً ، فكان القارىء يقرأ بالمِئِينَ ، حتى كنا نعتمدُ على العِصِيِّ من طول القيام ، فــا كنا ننصرفُ إلا في فروع الفجر » . أخرجه الموطأ [1] .

[شرح الغريب]

(فروع الفجر) يريد : قُبيله بقريب ، وفَرْعُ كل شيء : أعلاه .

٤٢٢٤ — (ط ـ يزيد بن رومان) قال : « كان الناس يقومون في زمن عمر في رمضان بثلاث وعشرين ركعةً » . أخرجه الموطأ [2] .

(١) ١/١١٥ في الصلاة في رمضان ، باب ما جاء في قيام رمضان ، وإسناده صحيح .

(٢) ١/١١٥ في الصلاة في رمضان ، باب ما جاء في قيام رمضان ، وفي سنده انقطاع ، فان يزيد ابن رومان لم يدرك عمر بن الخطاب رضي الله عنه .

أقول : لكن جاء الحديث من طريق آخر موصول صحيح ، رواه البيهقي في السنن الكبرى ٢/٤٦٩ عن السائب بن يزيد قال : كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة ، قال : وكانوا يقرؤون بالمئين ، وكانوا يتوكؤون على عصيهم في =

— ١٢٣ —

٣ - شیخ حمید التویجریؒ۔ (الرد علی الکاتب المفتون للتویجری / ۱۳۲)

اسکین:

الرد على الكاتب المفتون

تأليف الفقير إلى الله تعالى

حمود بن عبد الله بن حمود التويجري

غفر الله له ولوالديه ولجميع المؤمنين

دار اللواء للنشر والتوزيع

عنهم يقومون بها في رمضان. فروى مالك في الموطأ والبيهقي من طريقه عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد رضي الله عنه أنه قال أمر عمر بن الخطاب أبي بن كعب وتميماً الداري أن يقوما للناس إحدى عشرة ركعة، قال: وقد كان القارىء يقرأ بالمئين حتى كنا نعتمد على العصي من طول القيام وما كنا ننصرف إلا في فروع الفجر. إسناده صحيح على شرط الشيخين. وقد رواه ابن أبي شيبة في مصنفه عن يحيى بن سعيد القطان عن محمد بن يوسف ـ وهو ابن عبدالله بن يزيد الكندي المدني الأعرج ـ أن السائب أخبره أن عمر جمع الناس على أبيّ وتميم فكانا يصليان إحدى عشرة ركعة يقرآن بالمئين يعني في رمضان. إسناده صحيح على شرط الشيخين.

وروى مالك في الموطأ والبيهقي من طريقه عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. في إسناده انقطاع لأن يزيد بن رومان لم يدرك عمر رضي الله عنه، وروى البيهقي بإسناد صحيح عن السائب بن يزيد رضي الله عنه قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة. قال: وكانوا يقرءون بالمئين وكانوا يتوكئون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان رضي الله عنه من شدة القيام. قال البيهقي: ويمكن الجمع بين الروايتين فإنهم كانوا يقومون بإحدى عشرة ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلاث. وقال شيخ الإسلام أبو العباس ابن تيمية رحمه الله تعالى قيام رمضان لم يوقت النبي صلى الله عليه وسلم فيه عدداً معيناً بل كان هو صلى الله عليه وسلم لا يزيد في رمضان ولا غيره على ثلاث عشرة ركعة، لكن كان يطيل الركعات فلما جمعهم عمر على أبي بن كعب كان يصلي بهم عشرين ركعة ثم يوتر

١٣٢

۴ - شیخ عبد اللہ الدویشؒ۔ (تنبیہ القاری لعبد اللہ الدویش / ۴۷۔۴۸)

اسکین:

مجموعة مؤلفات الشيخ عبدالله الدويش

لتقوية ما ضعفه الألباني

ويليه

تنبيه القارئ لتضعيف ما قوّاه الألباني

تأليف العلامة المحدث

الشيخ / عبدالله بن محمد بن احمد الدويش
غفر الله له ولوالديه ولمشائخه
١٣٧٣-١٤٠٨هـ

المجلد الخامس

تقديم سماحة الشيخ
عبدالعزيز بن عبدالله بن باز

أشرف على طبعها وتصحيحها
عبدالعزيز بن أحمد المشيقح

دار العليان

الأولى لما حققته في رسالتي صلاة التروايح قلت يعني بالرواية الأولى الإحدى عشرة ركعة. من تخريج المشكاة جـ ١ ص ٤٠٨ انتهى.

أقول في تضعيفه القيام بعشرين ركعة نظر فإنه ورد من روايات يقوي بعضها بعضا ويدل على أن له أصلاً

منها ما رواه عبدالرزاق في مصنفه جـ ٤ ص ٣٦٠ عن داود بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أن عمر جمع الناس في رمضان على أبي بن كعب. على تميم الداري على إحدى وعشرين ركعة وهذا الإسناد رجاله ثقات رجال الصحيح.

ومنها ما رواه البيهقي في السنن الكبرى جـ ٣ ص ٤٩٦ حيث قال أخبرنا أبو عبدالله الحسين بن محمد بن الحسين بن فنجويه الدينوري بالدامغان ثنا أحمد بن محمد بن إسحاق السني أنبأنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز البغوي ثنا علي بن الجعد أنبأ ابن أبي ذئب عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة وهذا إسناد رجاله ثقات أما الحسين بن محمد فقد ذكره الذهبي في تذكرة الحفاظ في ترجمة تمام الحافظ الجزء الثالث ص ١٠٥٧ وقال ابن العماد في شذرات الذهب الجزء الثالث ص ٣٠٠ كان ثقة مصنفاً أما ابن السني فهو صاحب كتاب اليوم والليلة إمام مشهور والبغوي قال عنه الدارقطني هو ثقة وبقية رواته رواة الصحيح.

وروى ابن أبي شيبة في مصنفه عن وكيع عن مالك بن أنس عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطاب أمر رجلاً يصلي بهم عشرين

-٤٢-

۵ - شیخ مصطفی العدوی۔ (عدد رکعات قیام اللیل /۳۶)

اسکین:

الطليعة
لكتاب الجامع العام في الفقه والاحكام

بحث في

عدد ركعات قيام الليل

تأليف

مصطفى العدوي

الناشر
دار ماجد عسيرى
جدة ـ هاتف : ٦٦٠٤٢٤٣

عدد ركعات قيام الليل ٣٦

جمع الناس على إحدى عشرة ركعة

في الموطأ [١] عن مالك عن محمد بن يوسف عن السائب ابن يزيد أنه قال أمر عُمر بن الخطاب أُبى بن كعب وتميمًا الدارى أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة ، قال : وقد كان القارئ يقرأ بالمئين حتى كنا نعتمد على العصىً من طول القيام، وما كنا ننصرف إلا في فُرُوع الفجر » [٢] . صحيح

جمع الناس على عشرين ركعة

قال على بن الجعد في مسنده (٢٩٢٦) .

أنا ابن أبى ذئب عن يزيد بن خصيفة [٣] عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان بعشرين ركعة ، وإن كانوا ليقرؤن بالمئين من القرآن . صحيح

(١) الموطأ (١/ ١١٥) .

(٢) قوله في فروع الفجر أى في أوائله ، وأول ما يبدو ويرتفع منه . وهذا مما يدل على تعدد الوقائع وتنوع عدد الركعات ، وذلك لان هذا أفاد أنهم كانوا ينصرفون عند فروع الفجر ، والأثر المتقدم فيه أن عمر رضى الله عنه قال : نعم البدعة هذه والتي ينامون عنها أفضل من التي يقومون ـ يريد آخر الليل ـ وكان الناس يقومون أوله .

(٣) وقد أعل البعض هذا الأثر بيزيد بن خصيفة ، وبما ورد عن أحمد في شأنه=

۶ - مولانا غلام رسول قلع والیؒ۔(رسالہ تراویح /۳۸)

اسکین:

مايرى الامام الاكبر عالم المدينة مالك بن انس الاصبحى من ان اجتماع اهل المدينة حجة حتى انه عولت علماء مذهبه فى ارسال اليدين حالة القيام فى الصلاة على عمل اهلها مع وجود المروى الصحيح فى قبض

ترجمہ :۔ ہر چار رکعت کے بعد انفرادی طور پر چار رکعت نماز پڑھتے تھے ان کی عبارت ختم ہوئی۔ کبیری کی اس عبارت سے چند فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ بیس رکعت جمہور کا مذہب ہے۔ دوسرا یہ کہ جمہور کی دلیل حضرت سائب بن یزید رض کی حدیث ہے جس کو امام بیہقی رح نے روایت کیا ہے تیسرا یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہے چوتھا یہ کہ حضرت عمر رض، حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کے زمانہ میں اسی پر عمل ہوتا رہا ہے پانچواں یہ کہ یہ عمل گویا اجماعی

لہ قولہ ارسال الیدین الخ حضرت ابن مسعود رض فرماتے ہیں کہ میں نے نماز میں بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ نے میرا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا (ابوداؤد جلد ۱ ص۱۱۰) حضرت ابن الزبیر رض نے فرمایا کہ (نماز میں) ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنا سنت ہے (ابوداؤد) حافظ ابن القیم رح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں ثم یضع الیمنٰی علی ظہر الیسرٰی (زاد المعاد جلد ۱ ص۱۰) پھر آپ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور حافظ ابن القیم رح لکھتے ہیں کہ سنت صحیحہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھنا چاہیئے اور حضرت علی رض کی حدیث اس میں صحیح ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت سے ممنوع ہے۔ الخ بدائع الفوائد جلد ۲ ص۔۔ حضرت امام مالک رح سے مروی ہے کہ وہ فرضی نماز میں ہاتھ باندھنے کو مکروہ فرماتے تھے اور نفلی میں اجازت دیتے تھے (ہدایۃ المجتہد جلد ۱ ص۱۳۶) لیکن ابن عبد البر مالکی رح فرماتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی اختلاف ثابت نہیں اور یہی جمہور حضرات صحابہ رض اور تابعین رح کا قول ہے اور امام مالک رح سے یہی نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندھنے چاہئیں، اور امام مالک رح سے کھلے ہاتھوں نماز پڑھنے کی روایات بھی آئی ہے۔ اب اکثر مالکیوں کا عمل اسی پر ہے (بحوالہ سبل السلام جلد ۱ ص۱۷۶ صفدر)

۷ - شیخ محب اللہ شاہ راشدیؒ۔ (مقالات راشدیہ /۱۸۴) وغیرہ حضرات نے اس روایت کی تصحیح یا تحسین کی اور صحیح قرار دیا ہے۔

اسکین:

مقالات راشدیہ (محب اللہ شاہ راشدی) | 184 | کیا بیس رکعات تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے؟

پھر بھی یہ بریلوی حضرات اپنی مرغی کی ایک ٹانگ کہتے رہیں تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں۔

ہم نے ابتداء میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کو امام شعبہ بن الحجاج نے جھوٹا قرار دیا ہے اور جھوٹے کی حدیث موضوع ہی ہوتی ہے ورنہ اس روایت کے سخت ضعیف ہونے میں تو کوئی خلاف نہیں، لہٰذا اس کو بطور حجت پیش کرنا جہالت کا ثبوت دینا ہے۔

حدیث ثانی پر گزارشات ہماری:

دوسرے نمبر پر امام بیہقی کی کتاب "معرفۃ السنن والآثار: ۲/۳۰۰۵" سے ایک روایت حضرت ابن یزید یعنی السائب بن یزید) سے نقل کی ہے لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہے وہ روایت یہ ہے:

((قال كنا نقوم فى عهد عمر بعشرين ركعة والوتر))

"ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمر فاروق کے دور میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔"

ہماری گذارشات: اس روایت کی سند تو ٹھیک ہے لیکن اس روایت کی معارض وہ حدیث ہے جو امام سعید بن منصور اپنے سنن میں لائے ہیں۔

علامہ سیوطی اپنی فتاویٰ المسماۃ "الحاوی" میں ایک رسالہ بنام "المصابیح فی صلوٰۃ التراویح" رکھا ہے، اس میں سنن سعید بن منصور سے اس طرح حدیث نقل کرتے ہیں۔

((حدثنا عبدالعزيز بن محمد حدثنى محمد بن يوسف سمعت السائب ابن يزيد يقول كنا نقوم فى زمان عمر بن الخطاب باحدى عشرة ركعة)) (ج۱/ ۳۴۹)

"حدیث (بیان) کی ہمیں عبدالعزیز بن محمد نے (اس نے کہا) حدیث (بیان) کی مجھے محمد بن یوسف نے (اس نے کہا) میں نے سنا حضرت سائب ابن یزید سے جو فرماتے تھے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔"

اس روایت کی سند کمزور ہونے کے سبب محدثین اسے قابل اعتماد نہیں سمجھتے ان کا مسلک یہ ہے کہ سنت تو آٹھ رکعتوں کا پڑھنا ہی ہے لیکن اس سے زائد جو رکعتیں پڑھی جائیں گی وہ صحیح اور مستحب ہوگی۔
نماز تراویح کی حقیقت، مولف: ڈاکٹر حافظ شاہد اقبال، ازہری صفحہ ۳۵، ناشر: ادارہ شہادت حق، ناظم آباد، کراچی
(۶) علامہ مفتی عبدالمجید خاں سعیدی رضوی بریلوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ:
روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما در بارہ بیس رکعات مرفوعاً صریح تو ہے مگر از روئے سند اس میں سقم پایا جاتا ہے۔ الخ
تحقیق رکعات تراویح، مصنف: مفتی عبدالمجید خان سعیدی بریلوی ص ۶، ناشر: قادریہ پبلشرز کراچی
مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں:
انوار مصابیح بجواب رکعات تراویح، تالیف: مولانا نذیر احمد رحمانی اعظمی رحمہ اللہ ص ۱۹۷ تا ۳۰۳۔
نماز تراویح، مولف: محقق العصر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ مترجم: مولانا محمد صادق خلیل مدظلہ ص ۳۵ تا ۳۷۔ (نعیم)

۸- نیز بیہقی کی اس حدیث کے بارے میں اہل حدیث شیخ اسماعیل الانصاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کو امام نوویؒ نے خلاصۃ الاحکام اور المجموع میں ، امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں ، امام سبکیؒ نے شرح منہاج میں ، امام ابن عراقیؒ طرح التثریب میں ، امام عینیؒ نے عمدۃ القاریؒ

میں ، امام سیوطیؒ نے المصابیح میں ، محدث ملا علی قاریؒ نے شرح موطا میں ، امام نیمویؒ نے آثار السنن میں ، وغیرہ لوگوں نے صحیح کہا ہے اور آگے انہوں نے شیخ البانیؒ کا رد کیا اور کہا (جس کا خلاصہ ہے کہ) البانیؒ نے ۲۰ رکعات تراویح کا انکار عبد الرحمن مبارکپوریؒ کی تقلید میں کیا ہے۔(تصحیح حدیث صلاۃ التراویح /۷)

اس اہل حدیث سلفی عالم کے حوالے سے تین باتیں معلوم ہوئیں :

۱ - البانی اور مبارکپوری صاحب کا اس روایت کا انکار کرنا خود انہیں کے فرقہ کے عالم کی نظر میں مردود ہے۔
۲ - البانی نے بیہقی کی بیس رکعات تراویح کی رویت کا انکار عبد الرحمن مبارکپوری کی تقلید میں کیا ہے۔
۳ - البانی صاحب تقلید بھی کرتے تھے۔

یاد رہے ، یزید بن خصیفہؒ کی روایت کی مطابعت موجود ہے۔ لہذا یہ روایت (صحیح) اور مضبوط حجت ہے ، الحمد للہ۔

کفایت صاحب سے سوال :

ہمارا اہل حدیثوں سے عموماً اور کفایت صاحب سے خصوصاً سوال ہے کہ

وہ کم سے کم امام نوویؒ سے پہلے کا کسی ایک محدث کا حوالہ پیش کریں جنہوں نے ابن خصیفہؒ کی ۲۰/رکعات تراویح والی روایت کو ضعیف کہا ہو۔ کیوں کہ خود اہل حدیثوں کا اصول ہے کہ پہلے لوگوں کے مقابلہ میں بعد والوں کی بات حجت نہیں ہے۔(نور العینین /۱۳۷) لہذا کفایت صاحب سے گزارش ہے کہ وہ امام نوویؒ(م ۶۷۶ھ) سے پہلے کا کوئی محدث یا فقیہ بتائیں جنہوں نے اس روایت ضعیف قرار دیا ہو۔

نوٹ: فرقہ اہل حدیث عموماً یہ کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث صحابہ کرامؓ کے دور سے آج تک موجود ہیں۔ (تحفہ حنفیہ:ص۲۵۴)

لہذا ہم کہتے ہیں کہ فرقہ اہل حدیث جب صحابہ کرامؓ کے دور سے آج تک موجود تھا ، تو صحابہ کرامؓ کا دور ۱۱۰ ہجری میں ختم ہوا، اور امام نوویؒ ۶۳۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔تو فرقہ اہل حدیث کو امام نوویؒ(م ۶۷۶ھ) سے پہلے کا کوئی محدث کا حوالہ ضرور مل جانا چاہیے ، جنہوں نے ۲۰ رکعات تراویح کی یہ روایت کو میں ضعیف قرار دیا ہو۔

نیز ، امام نوویؒ کے بعد ہر ہر صدی میں فقہاء اور محدثین نے ۲۰/رکعات تراویح کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے ، جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی۔

تو کیا ہر اس صدی میں 'اہل حدیث' علماء کے حوالجات مل سکتے ، جنہوں نے ان فقہاء اور محدثین کا رد کیا ہو ، جنہوں نے ۲۰ رکعات تراویح کی روایت کو صحیح قرار دیا ہو؟ تاکہ امت کو معلوم ہو، کہ ۲۰/رکعات تراویح کی روایت ضعیف کہنے والے انگریز سے پہلے بھی موجود تھے۔

پس ، اللہ تعالیٰ ہمیں حق اور سچ کو قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

یزید بن خصیفہ علیہ الرحمہ ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں

یزید بن عبداللہ بن خصیفہ کی ثقاہت پر تحقیق درج ذیل ہے :

(۱) **امام ابن سعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ)** فرماتے ہیں کہ یزید بن خصیفہؒ عابد ،ناسک ، کثیر الحدیث اور مضبوط ہیں۔(طبقات ابن سعد جلد :۵صفحہ :۳۹۶)

نوٹ: کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں کہ ابن خصیفہؒ کے بارے میں صرف اورصرف ایک محدث ابن سعدؒ ہی سے اعلی توثیق منقول ہے۔(مسنون رکعات تراویح صفحہ :۷۶) یہاں پر کفایت صاحب نے جھوٹ بولا ہے ،کیونکہ

اسکین:

مسنون رکعات تراویح، دلائل کی روشنی میں — 76

عرض ہے کہ گرچہ محمد بن یوسف سے متعلق ''أحمد بن صالح المصری'' کا قول ثابت نہیں لیکن جرح وتعدیل کے مشہور امام یحیٰ بن سعد رحمہ اللہ نے محمد بن یوسف کو''ثبت'' قرار دیا ہے اور اسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بخاری کے حوالہ سے نقل کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

كان يحيى بن سعيد يثبته.

امام یحیی بن سعید انہیں ثبت قرار دیتے تھے۔ [تهذيب التهذيب لابن حجر:۔ ۳۵/۳۱]۔

امام بخاری کی روایات ان کی کتاب تاریخ میں یوں موجود ہے:

كَانَ يحيى يُثَبِّتُهُ.

امام یحیی بن سعید انہیں ثبت قرار دیتے تھے۔ [التاريخ الكبير للبخاري:۔ ۴۲/۲]۔

اس کے ساتھ ساتھ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا:

قال بن معين قال لي يحيى لم أر شيخا يشبهه في الثقة.

ابن معین نے کہا: مجھ سے امام یحیی بن سعید نے کہا: میں نے ثقاہت میں محمد بن یوسف کے ہم پلہ کسی کو نہیں دیکھا[تهذيب التهذيب لابن حجر:۔ ۳۵/۳۱]۔

یہ اقوال تھذیب الکمال میں بھی منقول ہیں لہذا حافظ ابن حجر کی بنیاد یہی اقوال ہیں جن کے بیان میں انہیں کوئی وہم نہیں ہوا ہے پھر حافظ موصوف کا محمد بن یوسف کو ثقہ کے ساتھ ثبت قرر دینا بالکل مبنی برصواب ہے۔

الغرض یہ کہ محمد بن یوسف کو دو عظیم محدث نے ثقہ وثبت کہا ہے:

ایک جرح وتعدیل کے امام یحیٰ بن سعد نے اور دوسرے خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر، جبکہ یزید بن خصیفہ کے بارے میں صرف اور صرف ایک محدث ابن سعد ہی سے اعلیٰ توثیق منقول ہے، چنانچہ:

امام ابن سعد رحمہ اللہ نے کہا:

وَكَانَ عَابِدًا نَاسِكًا ثِقَةً كَثِيرَ الْحَدِيثِ ثَبْتًا.

یہ عابد، ناسک، ثقہ، کثیر الحدیث اور ثقہ تھے[الطبقات الكبرى لابن سعد:۔ ۲۷۴/۹]۔

(۲) **حافظ المغرب امام ابوعمر بن عبدالبرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ)** فرماتے ہیں کہ وکان ثقۃ مامونا (ابن خصیفہؒ ثقہ ،مامون ہیں)۔(التمہید لابن عبدالبر جلد :۲۳صفحہ ؛۲۵)

اسکین:

التمهيد

لما في الموطأ من المعاني والأسانيد

تأليف

الإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبد الله

ابن محمد بن عبد البر النمري القرطبي

(368 - 463هـ)

الجزء الثالث والعشرون

تحقيق

سعيد أحمد أعراب

1411هـ - 1991م

باب الياء

يزيد بن خصيفة ثلاثة أحاديث

وهو يزيد بن(1) خصيفة بن يزيد بن عبد الله الكندي بن أخي السائب بن يزيد الكندي، وكان ثقة مامونا محدثا محسنا، لا أقف له على وفاة، روى عنه جماعة من أهل الحجاز.(2)

حديث أول ليزيد بن خصيفة

مالك، عن يزيد بن خصيفة، عن عروة بن الزبير أنه قال: سمعت عائشة زوج النبي ﷺ تقول: قال رسول الله ﷺ: لا يصيب(3) المومن مصيبة حتى الشوكة إلا قص(4) بها أو كفر بها من خطاياه لا يدري(5) أيهما قال عروة.(6)

(1) ظاهر المؤلف أن خصيفة والد يزيد دنية، والذي عند ابن حجر في التقريب وتهذيب التهذيب أن خصيفة جد ليزيد وليس بوالد له دنية، قال: وزعم ابن عبد البر أنه ابن أخي السائب بن يزيد، ومثله عند الزرقاني في شرحه على الوطأ 371/4.

(2) انظر تهذيب التهذيب 340/11.

(3) يصيب: أ ق و - وهو ما في التجريد والوطأ.

(4) قص بها: أ ق قص الله بها: ي.

(5) هكذا في سائر النسخ (لا يدري أيهما) والذي في التجريد ونسخ الوطأ (لايدري يزيد أيهما) - بزيادة (يزيد).

(6) الوطأ رواية يحيى ص 672 - حديث (1706) والحديث أخرجه مسلم في الأدب من طريق ابن وهب، والنسائي عن قتيبة، كلاهما عن مالك به. انظر الزرقاني على الوطأ ج 325/4

- 25 -

اور غیر مقلدین کے ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر ثقہ مامونا اور ثبت کو ایک ہی درجہ کی تعدیل بتائی ہے (التحدیث فی علوم الحدیث صفحہ :۲۸۲)۔اسکین ملاحظہ فرمائے:

علوم حدیث　　　　۲۸۲

والحکم فی المراتب الاربعة هذه انه لا یحتج بواحد من اهلها ولا یستشهد به ولا یعتبربه۔(۱۵)

۵۔ وہ الفاظ جن میں حجت و دلیل نہ بنانے یا اس سے ملتے جلتے مفہوم کی تصریح ہو، جیسے:

فلان لا یحتج به، ضعفوه، مضطرب الحدیث، له مناکیر، منکرالحدیث اور ضعیف وغیرہ۔ (۱۶)

۶۔ نرم ترین جرح: وہ الفاظ جو تساہل پر دلالت کریں، جیسے:

فیه مقال، ضعف، لیس بذلک لیس بالقوی، لیس بالحجة، لیس بالمتین، لین الحدیث وغیرہ۔(۱۷)

ان آخری دو قسموں کی روایات لکھی تو جائیں گی مگر ان کو دلیل و حجت نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان سے اعتبار یعنی شاہد و تابع کی تحقیق کا کام لیا جائے گا۔ (۱۸)

۲۔ تعدیل

تعدیل کے مراتب جاننے بھی ضروری ہیں کیونکہ تعدیل بھی کبھی ہلکی اور کبھی بھاری ہوتی ہے اور اس سے بھی احادیث کے درجے متفاوت ہو جاتے ہیں، تعدیل کے مندرجہ ذیل مراتب و درجات ہیں۔

۱۔ تعدیل کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ میں تعدیل کی جائے جو ثقاہت و اعتماد میں مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں۔

ارفعها عندالمحدثین الوصف بما دل علی المبالغة او عبر عنه بافعل کاوثق الناس، و اضبط الناس، والیه المنتهی فی التثبت، ولا اعرف له نظیرا فی الدنیا۔(۱۹)

۲۔ وہ الفاظ جو ثقاہت و اعتماد کے بیان میں مکرر لائے جائیں، جیسے:

ثقة، ثقة ثبت ثبت وغیرہ۔ (۲۰)

۳۔ وہ الفاظ جو بغیر تاکید ثقاہت پر دلالت کریں، جیسے:

ثقة مامون، ثبت، حجة اور صاحب حدیث وغیرہ۔(۲۱)

معلوم ہوا کہ یہاں پر کفایت صاحب نے جھوٹ بولا ہے کہ ابن خصیفہؒ کی اعلی درجہ کی تعدیل صرف اور صرف امام ابن سعدؒ سے ملتی ہے۔

(۳) امام یحیی بن معینؒ (المتوفی ۲۳۳ھ) کا قول:

1 : امام اسحق بن منصورؒ (المتوفی ۲۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ "قال اسحق بن منصور عن یحیی بن معین: یزید بن خصیفه ثقة" امام یحیی بن معینؒ المتوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہا ابن خصیفہؒ ثقہ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل جلد :۹ صفحہ :۲۷۴)

2: ابن طہمانؒ (المتوفی ۲۸۴ھ) بھی یہی کہتے ہیں کہ" قال ابن طهمان عن یحیی بن معین: یزید بن خصیفه ثقة "ابن معینؒ نے ابن خصیفہ کو ثقہ کہا ہے۔ (سوالاتِ ابن طہمان رقم ۹۳۷۴)

اسی طرح حافظ مزیؒ (المتوفی ۷۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ۔۔قال احمد بن سعد بن ابی مریم عن یحیی بن معین ثقة حجة۔

3 : امام احمد بن سعد بن مریم (المتوفی ۲۵۳ھ) کہتے ہیں کہ ابن معینؒ نے ابن خصیفہؒ کو ثقہ اور حجت قرار دیا ہے۔ (تہذیب الکمال جلد:۳۲ صفحہ :۱۷۳)

اعتراض : کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قول بے سند ہے۔

الجواب نمبرا : اہل حدیث مسلک کے محدث مولانا ارشاد الحق اثری صاحب خود کفایت اللہ صاحب کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔۔البتہ یہ ناکارہ یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ علامہ مزیؒ ہوں یا علامہ ابن الجوزیؒ ہوں یا علامہ ذہبیؒ ہوں وہ اگر ائمہ محدثین (جن میں ابن معینؒ بھی شامل ہیں ان) سے کوئی نقد وجرح نقل کرے یا کسی کی توثیق نقل کرے اور ان کے یہ نقل کردہ اقوال اگر متداول کتابوں میں نہیں ملتے (یعنی ان کی اپنی کتابوں میں نہیں ملتے ہوں) تو بلا وجہ ان سے انکار درست نہیں۔اس انکار کا منطقی نتیجہ ہے کہ ہم علامہ مزیؒ سے زیادہ محطاط ہیں اور انہوں نے بلا ثبوت ان اقوال کا انتساب ائمہ کرام کی طرف کرکے جرم کا اعتراف کیا ہے،یہ بے اعتمادی بلکہ قرآنی زبان میں "ان بعض الظن اثم" کا مصداق ہے۔(انوار البدر صفحہ :۳۳)

معلوم ہوا کہ ان ائمہ رجال ،امام مزیؒ امام ذہبیؒ کا کسی کی جرح نقل کرنے پر اصل کتاب میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کردینا محض ائمہ رجال امام مزیؒ اور امام ذہبیؒ پر بے اعتمادی اور بد ظنی ہے۔لہذا کفایت صاحب سے گذارش ہے کہ وہ ان ائمہ کرام پر بے اعتمادی کو کم سے کم عوام کے سامنے ظاہر نہ کریں۔

نیز ابن معینؒ کا کوئی قول ابن خصیفہؒ کی تضعیف میں نہیں ہے ،تو پھر اہل حدیث مسلک کے اصول کی روشنی میں ہی کفایت اللہ صاحب کو یہ اعتراض کرنے کا حق ہی نہیں ہے ،الغرض یہ اعتراض باطل و مردود ہے۔

نوٹ : امام مزیؒ کے پہلے اور بعد بھی ائمہ جرح وتعدیل نے ابن معینؒ کا یہ قول نہ صرف یہ کہ نقل کیا ہے بلکہ اسے یحیی بن معینؒ سے ثابت مانا ہے ،چنانچہ:

۱:امام عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسیؒ (المتوفی ۶۰۰ھ)

۲:امام ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ)

۳:امام ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ)

۴ : امام عینیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ)

(الکمال فی اسماء الرجال للمقدسی جلد :۲ صفحہ :۲۴۳ مخطوطہ ،التکمیل فی الجرح والتعدیل لابن کثیرؒ جلد :۲ صفحہ :۳۴۷، ہدی الساری مقدمہ فتح الباری صفحہ : ۴۵۱، مغاني الأخيار في شرح أسامي رجال معاني الآثار: جلد:۳: صفحہ ۲۳۷)

اسکین: الکمال فی اسماء الرجال للمقدسی جلد :۲ صفحہ :۲۴۳ مخطوطہ
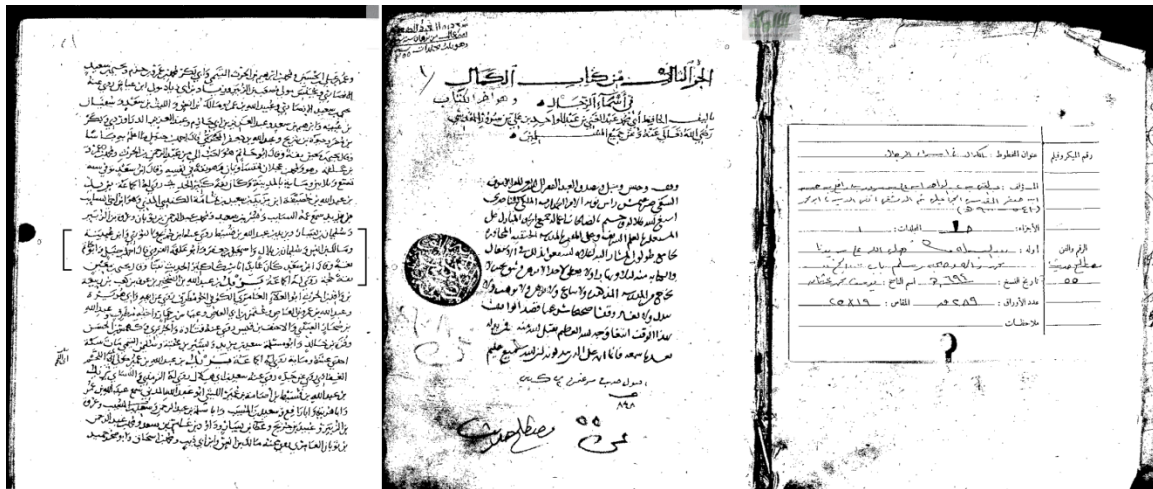
معلوم ہوا کہ اس قول کی کوئی نہ کوئی سند موجود ہے۔

الجواب نمبر۲: ابن معینؒ کے اس قول کی تائید ان کے ایک اور قول سے ہوتی ہے چنانچہ حافظ ابن محرزؒ فرماتے ہیں کہ **سمعت یحیی وقیل له ایما احب الیک یزید بن عبدالله بن خصیفه او محمد بن عمر بن علقمه فقال یزید و زید اعلاهما** میں نے یحیؒ سے سنا ؛ کہ ان سے کہا گیا کہ آپ کو یزید بن خصیفہؒ اور محمد بن عمر بن علقمہؒ میں سے کون زیادہ محبوب ہے ؟ تو انہوں نے فرمایا یزید۔ اور یزید ان دونوں اعلی ہیں۔(معرفۃ الرجال بروایت ابن محرزؒ جلد ؛۱ صفحہ : ۱۱۶)

غور فرمایئے ! ابن معینؒ کا یزید بن خصیفہؒ کا نام لینا اور کہنا کہ وہ محمد بن عمر بن علقمہ سے اعلی ہیں یہ صاف بتلا رہا ہے کہ یزید بن خصیفہؒ ثقہ ہی نہیں بلکہ حجت اور مضبوط ہیں۔ کیونکہ محمد بن عمر بن علقمہؒ (المتوفی ۱۴۵ھ) صحیحین کے راوی ہیں اور خود امام الجرح والتعدیل یحیی بن معینؒ فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ ہیں، اور ابن معینؒ کے چار چار شاگردوں نے ان سے یہ بات نقل کی ہے (سوالاتِ ابن طہمان رقم :۲۴، معرفۃ الرجال بروایت ابن محرزؒ جلد :۱ صفحہ :۱۰۷، تاریخ ابن ابی خثیمہ جلد :۲ صفحہ :۱۲۳، الکامل لابن عدیؒ جلد :۷ صفحہ ج ۴۵۶)

الغرض جب محمد بن عمر بن علقمہؒ ثقہ ہیں تو پھر امام ابن معینؒ کا سوالات کے جواب میں یزید کہنا اور پھر یزید بن خصیفہؒ کو محمد بن عمر سے اعلی بتانا یہ صاف طور سے دلالت کر رہا ہے کہ ان کے نزدیک یزید بن خصیفہؒ ثقہ ہی نہیں بلکہ اس سے اعلی حجت اور مضبوط ہیں۔
معلوم ہوا کہ اس سے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے جسے احمد بن سعد بن مریمؒ نے روایت کیا ہے۔

نوٹ : نیز ابن خصیفہؒ کے ثقہ ، مضبوط اور حجت ہونے کی تائیدامام ابن معینؒ کے ایک تیسرے قول سے بھی ہوتی ہے ،چنانچہ امام ابن معینؒ سے پوچھا گیا کہ :وقیل لہ ایما اکثر محمد بن اسحاق او محمد بن عمرو ؟محمد بن عمر احب الی منہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کو محمد بن اسحاقؒ اور محمد بن عمرؒو میں سے کون زیادہ محبوب ہے ؟تو ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن عمر ان سے زیادہ محمود ہیں۔(تاریخ یحیی بن معینؒ بروایت الدوری رقم:۱۰۵۶،معرفۃ الرجال بروایت ابن محرزؒ جلد :۱ صفحہ :۵۷۸ ولفظہ)

اور محمد بن اسحقؒ المتوفی ۱۵۰ھ کے بارے میں خود ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ :ابن اسحق ثبت فی الحدیث(ابن اسحقؒ حدیث میں مضبوط ہیں) ۔ (تاریخ بغداد جلد :۱ صفحہ :۲۴۶)

الغرض **جب محمد بن اسحقؒ ابن معینؒ کے نزدیک حدیث میں مضبوط ہیں تو ابن معینؒ ہی کے نزدیک محمد بن عمر و بن علقمہؒ ان سے زیادہ محبوب ہیں یعنی مضبوط ہیں اور پھر امام ابن معینؒ ہی کے نزدیک محمد بن عمرو بن علقمہ سے زیادہ محبوب یزید بن خصیفہؒ ہیں یعنی ابن معینؒ کے نزدیک ابن خصیفہ محمد بن عمرو بن علقمہ سے زیادہ حدیث میں ثبت اور مضبوط ہیں ۔**

تو یہ قول بھی صاف طور سے بتا رہا ہے کہ یزید بن خصیفہؒ ابن معینؒ کے نزدیک ثقہ ہی نہیں بلکہ حجت اور مضبوط ہیں۔لہذا کفایت صاحب کا اعتراض ہی مردود ہے۔

نوٹ : کفایت صاحب کہتے ہیں کہ ابن محرزؒ مجہول ہیں ،لیکن صحیح بات یہ ہے کہ محدثین کے اصول کے مطابق وہ مجہول نہیں بلکہ مقبول ہیں۔[19]

(۴) امام احمد بن حنبلؒ کا قول : امام اثرمؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا ہے کہ (امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ)یزید بن خصیفہؒ ثقہ ہیں ثقہ ۔(کتاب الجرح والتعدیل جلد :۹ صفحہ :۲۷۴)

اعتراض : کفایت صاحب نے محض تعصب کی وجہ سے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ مکرر لفظ کی زیادتی صرف ایک مخطوطے میں ہے دیگر میں ایسا نہیں ہے۔

الجواب : خود مسلک اہل حدیث کے ڈاکٹر وصی اللہ عباسی صاحب کہتے ہیں کہ امام اثرمؒ نے امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) سے نقل کیا ہے کہ (امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ)یزید بن خصیفہؒ ثقہ ہیں ثقہ۔(حاشیہ معرفۃ الرجال للامام احمد بن حنبلؒ بروایت عبداللہ تحقیق وصی اللہ عباس جلد :۲ صفحہ :۴۹۰)

---

[19] دیکھئے ص ۳۳

معلوم ہوا کہ خود اہل حدیث عالم نے اس زیادتی کو قبول کیا ہے ،لیکن کفایت صاحب محض اپنے مسلک کی بیجا تائید میں اس کا انکار کر رہے ہیں۔

کفایت صاحب کی دوغلی پالیسی :

مختصر طور پر کفایت صاحب کی دوغلی پالیسی ملاحظہ فرمائیں :کفایت صاحب نے امام اثرمؒ کے نقل کردہ قول پر اعتراض کیا ہے کہ ثقہ کے مکرر لفظ کی زیادتی صرف ایک ہی مخطوطے میں ہے اور اس کو قبول نہیں کیا ،حالانکہ امام اثرمؒ کا قول مطبوعہ اور مخطوطہ دونوں کتابوں میں موجود ہے۔لیکن کفایت صاحب بڑے زور وشور سے کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے یزید بن خصیفہؒ کو منکر الحدیث کہا ہے۔اور لکھتے ہیں کہ اس قول کو امام احمد سے امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے اور ان سے ابوعبید الآجریؒ نے ،پھر انہی کی کتاب سے امام مزیؒ نے نقل کیا ہے۔ (مسنون رکعات تراویح صفحہ ۴۷)

جبکہ سوالاتِ ابوعبید الآجری میں یہ قول ہے ہی نہیں ،نہ مطبوعہ میں اور نہ ہی مخطوطہ میں ،لیکن پھر بھی اس سے دلیل پکڑ رہے ہیں **"اپنامن پسند قول آیا تو اسے قبول کیا حالانکہ وہ نہ کتاب میں ہے نہ مخطوطے میں ،لیکن جب ہمارا قول آیا جوکہ کتاب میں بھی ہے اور ایک مخطوطے میں بھی اس کو قبول نہیں کیا"۔یہ دوغلی پالیسی نہیں تو اور کیا ہے ؟؟**

پھر منکر الحدیث کے خلاف امام عبد اللہ بن احمدؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں یزید بن خصیفہؒ کے بارے میں خیر ہی جانتا ہوں (اچھا ہی جانتا ہوں)(علل امام احمد بروایت عبداللہ رقم:۳۲۳۲)یہ قول بتارہا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے ابن خصیفہؒ کے بارے میں صرف توثیق ہی ثابت ہے۔کیونکہ جب امام احمدؒ یزید بن خصیفہؒ کے بارے میں خیر ہی جانتے ہیں تو پھر وہ منکر الحدیث کیسے ہو سکتے ہیں؟؟

شبہہ :ممکن ہے کہ کفایت صاحب اپنے مسلک کے تعصب میں کہیں کہ ہو سکتا ہے کہ امام مزیؒ کے پاس جو سوالاتِ ابوعبید الآجریؒ کا نسخہ تھا اس میں یہ قول موجود ہو جیسا کہ موصوف نے یزید ابن معاویۃ کے مسئلۃ میں امام بخاریؒ کی جرح کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہماراقول جو کہ امام اثرمؒ نے روایت کیا ہے امام ابن ابی حاتمؒ نے نقل بھی کیا ہے اورالجرح وتعدیل کے ایک مخطوطے میں بھی موجود ہے ،لیکن پھر بھی کفایت صاحب اس کا انکار محض اس لیے کررہے ہیں کہ ان کے مسلک کے خلاف ہے۔یہ کھلا مسلکی تعصب نہیں تو اور کیا ہے ؟؟

اور مخطوطے کے اضافے کے سلسلے میں خود کفایت اللہ صاحب زبیر علی زئی کو امام بخاریؒ کی ایک جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ "امام ابن کثیرؒ کا قول امام بخاریؒ کی تاریخ الاوسط میں ہے لیکن اصل کتاب میں والحدیث معلول "(حدیث کے معلول ہونے کے)الفاظ نہیں ہیں تو عرض ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوا کہ "تاریخ الاوسط "کے بعض نسخوں میں یہ عبارت ناقص ہے ،اور امام ابن کثیرؒ کے سامنے جو تاریخ الاوسط کا نسخہ تھا اس میں یہ عبارت مکمل تھی اور نسخوں میں اختلاف عام بات ہے۔آج بھی مخطوطات کی تصدیق کے وقت کے دیگر نسخوں سے ناقص عبارتوں کو مکمل کیا جاتاہے ،بلکہ دیگر اہل علم کے منقولات سے بھی نسخوں کی ناقص عبارتیں درست کی جاتی

ہیں۔لہذا ابن کثیرؒ کے سامنے جو نسخہ تھا اس نسخے میں یہ قول مکمل تھا اور بعض دیگر نسخوں میں یہ قول ناقص ہے۔لہذا تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ عبارت مکمل ہو گی اور حجت ہو گی۔(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ :۲۸)[20]

جب کفایت صاحب کے نزدیک ابن کثیرؒ کی یہ عبارت تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے مکمل اور حجت ہے تو انہیں کے اصول میں امام احمد بن حنبلؒ کی عبارت (ثقہ ہیں ثقہ) بھی حجت ہو گی۔لہذا کفایت صاحب کا اعتراض ان کے اپنے ہی اصول کی روشنی میں باطل ہے۔اور کفایت صاحب کا امام احمد بن حنبلؒ کے قول کا انکار محض مسلکی تعصب ہے۔

الجواب:۲ مزید اگر بقول غیر مقلدین منکر الحدیث کی جرح مان لیں تو خود اہل حدیث علماء نے صراحت کی ہے کہ "امام احمد بن حنبلؒ راوی کے تفرد کے اعتبار سے منکر کا اطلاق کرتے ہیں' ،جس کی تفصیل آگے آرہی ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ امام خصیفہؒ پر امام احمدؒ کی اسی جرح کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " **قلت هذه اللفظة يطلقها احمد على من يغرب على اقرانه بالحديث عرف ذلک بالاستقراء من حاله وقد احتج بابن خصيفة مالک والائمة کلهم**"میں کہتا ہوں کہ یہ لفظ جس کو امام احمد بن حنبلؒ نے نقل کیا ہے ایسے شخص پر جو اپنے زمانے میں غریب الحدیث ہو۔(بشرطیکہ اس کے غریب ہونے کا حال برقرار رہے۔بے شک ابن خصیفہؒ سے امام مالکؒ اور تمام ائمہ نے احتجاج کیا ہے) ۔ (ھدی الساری مقدمہ فتح الباری صفحہ :۴۵۳) لہذا جب امام احمدؒ راوی کے تفرد پر منکر کا اطلاق کرتے ہیں تو یہاں بیس رکعت تراویح کے سلسلے میں ابن خصیفہؒ منفرد ہی نہیں بلکہ ان کے چھ چھ متابعات بھی موجود ہیں۔اس لحاظ سے بھی امام احمد بن حنبلؒ کی جرح سے ابن خصیفہؒ کی روایت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس کے برعکس محمد بن یوسفؒ گیارہ رکعت کی روایت میں اکیلے ہیں اور ان کا کوئی متابع بھی نہیں ہے۔الغرض ان ساری تفصیلات سے معلوم ہوا کہ امام احمدؒ نے یزید بن خصیفہؒ کی زبردست توثیق کی ہے اور ان کے قول منکر الحدیث سے ان کا کمزور ہونا ثابت نہیں ہوتا۔واللہ اعلم

اعتراض : کفایت صاحب امام احمدؒ کے منکر الحدیث کے بارے میں بحوالہ الکامل لابن عدی کہتے ہیں کہ "بعض اہل علم کا یہ کہنا کہ امام احمدؒ نے یہاں منکر سے منفرد حدیث بیان کرنے والا مراد لیا ہے یہ بے دلیل اور بے قرینہ ہے۔" (مسنون رکعات تراویح :ص۷۲)

الجواب : اول تو کفایت صاحب سے گزارش ہے کہ وہ الکامل کے حوالے کو مع سند و متن نقل کریں۔

دوم یہ اعتراض ہی باطل و مردود ہے جس کی تفصیل کے لیے دیکھیے **ص :۲۹۔**

(۵) **امام ابوحاتمؒ المتوفی ۲۷۷ھ** فرماتے ہیں کہ یزید بن خصیفہؒ ثقہ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل جلد:۹ صفحہ : ۲۷۴)

(۶) **امام ابن حبانؒ المتوفی ۳۵۴ھ** نے یزید بن خصیفہؒ کو کتاب الثقات میں شمار کیا ہے۔ (کتاب الثقات جلد:۷ صفحہ :۶۱۶)

---

[20] اس کا اسکین ص:۵۲ پر موجود ہے۔

(۷) **امام ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ** نے بھی ابن خصیفہؒ کو ثقہ کہا ہے۔ (تقریب التہذیب رقم ۷۷۳۸)

یزید بن خصیفہؒ پر کفایت صاحب کے اعتراضات کے جوابات :

اعتراض نمبر ۱ : کفایت صاحب کہتے ہیں امام احمدؒ نے یزید بن خصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے۔

الجواب : امام احمدؒ منکر کا اطلاق راوی کے منفرد ہونے پر کرتے ہیں اور بیس رکعات تراویح کی روایت میں یزید بن خصیفہؒ منفرد نہیں ہیں لہذا یہاں پر امام احمدؒ کی جرح سے یزید بن خصیفہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور امام احمدؒ سے ہی ابن خصیفہؒ کی زبردست توثیق ثابت ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔

اعتراض نمبر ۲: کفایت صاحب لکھتے ہیں کہ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ یزید جب اپنے حافظے سے بیان کرتے ہیں تو بہت وہم کا شکار ہوتے ہیں ۔(مسنون تراویح صفحہ :۷۴)

الجواب نمبر ۱ : امام ابن حبانؒ نے ابن خصیفہؒ کو اپنی کتاب الثقات میں شمار کیا ہے دیکھیے (کتاب الثقات جلد ۷؛ صفحہ ۶۱۶) معلوم ہوا کہ امام ابن حبانؒ سے جرح وتعدیل دونوں مروی ہے۔ مگر اہل حدیث مسلک کے ابو خرم شہزاد صاحب کہتے ہیں کہ 'اگر کسی محدث کے ایک ہی راوی کے بارے میں دو مختلف قول ہیں تو اس محدث کے دونوں قول آپس میں ساقط ہوجائیں گے یا جمہور کے موافق جو قول ہوگا وہ لے لیاجائے گا اور دوسرا قول کو چھوڑدیاجائے گا۔(کتاب الضعفاءوالمتروکین: ج ۱ : ص ۹۰) لہذا خد اہل حدیث مسلک کے اصول کی روشنی میں یا تو ابن حبانؒ کے دونوں باتیں ساقط ہوجائیں گے یا ان کی توثیق کو ہی لیاجائے گا،کیونکہ جمہور نے یزید بن خصیفہؒ کی توثیق کی ہے۔الغرض اب کفایت صاحب کے پاس سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہیں بچتا کیونکہ وہ اب ابن حبانؒ کی جرح پیش نہیں کر سکتے۔

الجواب نمبر ۲: خود کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں کہ ابن حبانؒ جرح میں متعصب ہیں لہذا ثابت شدہ صریح توثیق کے مقابلے میں ان کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔(انوار البدر صفحہ : ۱۲۷) الغرض کفایت صاحب کے اصول کے مطابق یہاں ابن حبانؒ کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے،اور یہی وجہ ہے کہ امام ابن قطانؒ المتوفی ۶۲۸ھ فرماتے ہیں کہ یزید بن خصیفہؒ بغیر کسی اختلاف کے ثقہ ہیں (بیان الوہم ؛جلد ؛ ۵صفحہ ؛۲۹۸)معلوم ہوا کہ امام ابن قطانؒ کے نزدیک بھی امام احمدؒ اور امام ابن حبانؒ کی جرح صحیح نہیں ہے۔

آخری سہارا : کفایت صاحب کہتے ہیں کہ امام ذہبیؒ نے ابن خصیفہؒ کو اپنی ضعفاء کی کتاب میزان میں نقل کیا اور امام احمد سے منکرالحدیث ہونے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے قول پر کوئی تعاقب نہیں کیا ہے۔معلوم ہوا کہ امام ذہبیؒ انہیں ثقہ ثقہ کہنے ساتھ ساتھ ان کے حافظے پر کلام کو تسلیم کرتے ہیں۔

الجواب : اگر کفایت صاحب اپنے اصول کے پابند ہیں تو صحیح بخاری کے ایک راوی ابو الیسع البصریؒ ہیں،ان کو حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ذکر کیاہے اور ایک توثیقی کلمہ بھی انھوں نے نقل نہیں کیا ہے۔(میزان الاعتدال ؛جلد ؛۱،صفحہ :۱۷۶)

اب کفایت صاحب کیا یہ کہ سکتے ہیں کہ یہ راوی امام ذہبیؒ کے نزدیک ضعیف ہے۔جو جواب اسکے متعلق آپ دیں گے وہی جواب ہمارا بھی ابن خصیفہؒ کے بارے میں ہو گا۔

خلاصہ کلام۔۔۔یہ ہے کہ یزید بن خصیفہؒ ثقہ ہی نہیں بلکہ اعلی درجے کے ثقہ ہیں۔جیسا کہ محدثین کی نے فرمایا ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک منکر الحدیث کا مطلب

امام احمد بن حنبلؒ المتوفی (۲۴۱ھ) جب ثقہ راوی کو منکر الحدیث یا اس کی روایت کو منکر کہیں تو ان کے نزدیک راوی کا تفرد مراد ہوتا ہے ،لیکن اپنے مسلک کی بے جا تائید میں کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں کہ بعض اہل علم کا یہ کہنا کہ امام احمدؒ نے یہاں منکر سے منفرد حدیث بیان کرنے والا مراد لیا ہے،بے دلیل اور بے قرینہ ہے۔(مسنون تراویح)

الزامی جواب : کفایت صاحب کے فتوی کی روشنی میں معلوم ہوا کہ خود غیر مقلدین علماء بے دلیل بات کرتے ہیں۔کیونکہ۔۔۔۔

۱۔اہل حدیث محدث ارشاد الحق اثری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ امام احمدؒ تفرد راوی (راوی کے اکیلے ہونے)پر منکر کا اطلاق کرتے ہیں ،جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔(توضیح الکلام صفحہ ؛۴۷۳)

۲:اہل حدیث محقق حافظ شاہد محمود صاحب لکھتے ہیں کہ۔۔۔کیونکہ امام احمدؒ عموماً منکر کا اطلاق راوی تفرد پر کرتے ہیں۔(دوام حدیث صفحہ ؛۵۵۴)

۳: کفایت اللہ صاحب کے 'امیر المومنین فی اسماء الرجال' اور ذہبی زماں شیخ یحیٰی المعلمیؒ اور

۴ : شیخ البانیؒ نے بھی یزید بن خصیفہ کے بارے میں امام احمدؒ کے قول" منکر الحدیث "کا مطلب تفرد لیا ہے (تفرد یعنی اس روایت کو بیان کرنے میں وہ تنہاء ہیں)۔دیکھئے (آثار الشیخ المعلمی ج /۱۳، ص۲۶، ممن تکلم فیہ لخطئہ فی حدیث،صلاۃ التراویح للالبانیؒ)

لہذا کفایت صاحب کے فتوے سے تو ان کے اپنے محدث اور محقق بھی نہیں بچتے اور بے دلیل بات کرنے والے ثابت ہوتے ہیں۔

تحقیقی جواب : کفایت صاحب کا یہ اعتراض دلائل کی روشنی میں مردود ہے ،پہلے سلف کے کچھ حوالے ملاحظہ فرمائیں ،کہ جب امام احمد بن حنبلؒ منکر الحدیث کا اطلاق کرتے ہیں تو کیا مراد ہوتا ہے ؟

امام ابن رجبؒ المتوفی ۷۹۵ھ فرماتے ہیں کہ۔۔۔**قال الامام احمد رحمہ اللہ "لیس بالمنکر ،لانہ قدوافقہ علی بعضہ غیرہ" لان قاعدتہ:أن ما انفرد بہ ثقۃ فانہ یتوقف فیہ حتی یتابع علیہ فان توبع علیہ زالت نکارتہ خصوصا ان کان الثقۃ لیس بمشتھر فی الحفظ والاتقان وھذہ قاعدۃ یحیی القطان وابن المدینی وغیرھما۔**

امام احمدؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث میں ثقہ منفرد ہو تو اس میں توقف کیا جائیگا متابع کے ملنے تک۔اگر متابع مل جاتا ہے تو اس کا منکر ہونا ختم ہوجاتا ہے خاص طور سے اگر ثقہ حافظ اور مضبوط ہونے میں مشہور نہ ہو ،اوریہی ابن قطانؒ اور ابن المدینیؒ وغیرہ کا قاعدہ ہے۔ (فتح الباری لابن رجبؒ جلد :۴ صفحہ :۱۷۴)

۲:امام بقائیؒ المتوفی ۸۸۵ھ (جو کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد ہیں)فرماتے ہیں کہ۔۔۔مااطلقه البرديجي موجود في كلام احمد علیہ السلام فانه يصف بعض ماتفرد به بعض الثقات بالمنكر ،ويحكم على بعض رجال الصحيحيين ان لهم مناكير ,لكن يعلم من استقراء كلامه انه لابد مع التفرد من ان ينقدح في النفس ان له علة۔

امام بردیجیؒ المتوفی ۳۰۱ھ نے جو حکم لگایا ہے وہ امام احمدؒ کے کلام میں موجود ہے اس لئے کہ وہ بعض ایسی حدیثوں پر منکر ہونے کا حکم لگاتے ہیں جن کے روایت کرنے میں کوئی ثقہ راوی منفرد ہو ، صحیحین کے بعض راویوں کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ان کی کچھ حدیثیں منکر ہیں لیکن ان کی تمام باتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تفرد کے ساتھ ساتھ کوئی ایسی علت بھی ہوتی ہے جو دل میں کھٹکتی ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہیں ہوتی ،جیساکہ شاذ کے بارے میں امام احمدؒ کا قول گذرا۔(النکت الوافیہ جلد :۱صفحہ ؛۴۶۷)

۳:امام ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ یزید بن خصیفؒ امام احمد بن حنبلؒ کی جرح ”منکر الحدیث“کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ۔قلت هذه اللفظة يطلقها احمد على من يغرب على اقرانه بالحديث عرف ذلك بالاستقراء من حاله۔

امام احمدؒ نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ منکرالحدیث ہیں ،میں کہتا ہوں کہ وہ اس لفظ ”منکر الحدیث “کا استعمال اس راوی کے لئے کرتے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے الگ حدیث بیان کرتا ہو یہ چیز اس کی تمام روایتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے۔(ہدی الساری مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۵۳)

اسی طرح حافظؒ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔۔قلت المنكر اطلقه احمد بن حنبل و جماعة على الحديث الفرد الذی لا متابع له۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمدؒ اور اصحاب حدیث کی جماعت منکر کا اطلاق ایسی منفرد حدیث پر کرتے ہیں جسکا کوئی متابع نہ ہو۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری صفحہ ؛۴۳۷)

معلوم ہو ا کہ جب ثقہ اپنی روایت میں منفرد ہو تو سلف کے نزدیک امام احمدؒ اس پر منفرد ہونے کا اطلاق کرتے ہیں ،کم سے کم یہ بات ان لوگوں کو ماننا تھا جو اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں اور سلف کے منہج کو ماننے کا دعوی کرتے ہیں۔

کچھ دلائل بھی ملاحظہ فرمائیں۔۔

۱:امام ابو بکر المروزی المتو فی ۲۷۵ھ فرماتے ہیں کہ۔۔قلت لابی عبدالله: فعبد الرحمن بن اسحق كيف هو؟قال أما ما كتبنا من حديثه فقد حدث عن الزهري بأحاديث كأنه أراد تفرد بها،ثم ذكر حديث محمد بن جبير في الحلف ـ حلف المطيبين۔فأنكره أبو عبدالله وقال: ما رواه غيره۔ میں نے امام ابو بکرؒ سے پوچھا کہ عبدالرحمن بن اسحقؒ کیسے ہیں ؟تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ جہاں تک ان کی ان حدیثوں کی بات ہے جو ہم نے ان

سے لکھی ہیں تو انہوں نے کئی حدیثیں امام زہریؒ کے حوالے سے بیان کی ہیں، گویا امام احمدؒ نے ان حدیثوں میں ان کے متفرد ہونے کو بیان کیا ہے (یعنی امام احمدؒ نے جو کچھ حدیثیں ان سے لی ہیں ان میں ان کے تفرد کو بتلانا چاہا ہے) پھر امام مروزیؒ نے محمد بن جبیرؒ کی حدیث باب حلف میں بیان کی تو امام احمدؒ نے اسے منکر کہا اور فرمایا کہ عبدالرحمن کے علاوہ کسی نے اسکو روایت نہیں کیا۔(علل و معرفۃ الرجال بہ روایت المروزی رقم:۶۱)

غور فرمایئے! عبد الرحمن بن اسحق المدنیؒ امام زہریؒ کی روایت میں منفرد ہونے کی وجہ سے امام احمدؒ نے یہاں پر ان کی روایت پر۔منکر ہونے کا اطلاق کیا ہے ،اور یہی وجہ ہے کہ شیخ بشیر علی عمر لکھتے ہیں کہ **هذا الحديث مما تفرد به عبد الرحمن بن اسحق عن الزهري ،فأنكره الامام احمد لأنه كما قال: ما رواه غيره ،وهذا من اطلاق المنكر على مفردات الرواة۔**

یہ حدیث اس میں سے ہے جس میں عبدالرحمن بن اسحقؒ زہریؒ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اس لیے امام احمدؒ نے اسے منکر کہا کیونکہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ عبدالرحمن بن اسحقؒ کے علاوہ کسی نے اس کو روایت نہیں کیا ہے۔اور یہ مثال ان میں سے ہے جن میں امام احمدؒ نے منکر کا اطلاق راوی کے اکیلے ہونے پر کیا ہے۔(منہج الامام احمد فی اعلال الاحادیث جلد:۲ صفحہ ۷۸۸)

اور یاد رہے کہ امام احمد بن حنبلؒ عبدالرحمن بن اسحق المدنیؒ کو صالح الحدیث بھی کہتے ہیں (میزان الاعتدال جلد؛۲ صفحہ؛۵۴۶) امام احمدؒ ایک طرف توثیق بھی کر رہے ہیں دوسری طرف ان کی منفرد روایت کو منکر بھی کہہ رہے ہیں ،معلوم ہوا کہ جب ثقہ راوی اپنی روایت میں منفرد ہو تب امام احمدؒ اس پر منکر کا اطلاق کرتے ہیں۔

دلیل۔۲: حضرت علیؓ جب نماز کو شروع کرتے تب رفع الیدین کرتے بعد میں نہیں کرتے تھے اس روایت کے بارے میں امام عبداللہ بن احمدؒ المتوفی ۲۹۰ھ کہتے ہیں کہ میرے والد امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ '' **قال عبدالله قال أبي ولم يروه عن عاصم غير أبي بكر "النهشلي "أعلمه كأنه أنكره** ''۔جہاں تک میں جانتا ہوں کہ اس روایت کو عاصم سے ابو بکر النہشلی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔گویا انہوں نے (امام احمدؒ نے) اس روایت کو منکر قرار دیا۔(مسائل احمد بہ روایت عبداللہ رقم :۲۶۹)

یہ قول واضح طور پر بتارہا ہے کہ امام احمدؒ نے ابو بکر النھشلیؒ کی اس روایت کو اس لئے منکر کہا کیونکہ ان کے نزدیک ابو بکر النھشلی اس روایت میں اکیلے ہیں۔یہاں پر ابو بکر النھشلی کو خود امام احمدؒ نے ثقہ کہا ہے۔(**كتاب العلل ومعرفة الرجال للامام احمد به روايت عبدالله رقم ۴۳۷۱**)

نوٹ : یہ اور بات ہے کہ امام ابو بکر النھشلیؒ اس روایت میں منفرد نہیں ہیں ،اور حضرت علیؓ کی یہ روایت بلا شک و شبہہ صحیح ہے .الغرض ان ساری تفصیلا ت سے معلوم ہو اکہ امام احمد بن حنبلؒ جب ثقہ راوی کی روایت پر منکر کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے راوی کا تفرد مراد ہوتا ہے۔پس کفایت صاحب کا اعتراض ہی باطل و مردود ہے۔

سوال : کفایت صاحب محض مسلکی تعصب کی وجہ سے یہ جو کہتے ہیں کہ امام احمدؒ روایت پر تفرد کے اعتبار سے منکر کا اطلاق کرتے ہیں نہ کہ راوی پر۔تو آپ کے فرقہ کے محقق شاہد محمود صاحب لکھتے ہیں کہ "بلکہ امام احمدؒ تو محمد بن ابراہیم التیمیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے منکر حدیث نقل کی ہے اور یہ (محمد بن ابراہیمؒ)بخاری اور مسلم کے اور حدیث" **انماالاعمال بالنیات** " کے بنیادی راوی ہیں۔ (دوام حدیث صفحہ :۵۵۴)

جب کفایت صاحب کے نزدیک امام احمدؒ صرف روایت پر تفرد کے اعتبار سے منکر کا اطلاق کرتے ہیں۔توسوال یہ ہے کہ کیا کفایت صاحب آپ کے نزدیک یہ روایت منکر ہے۔(نعوذ باللہ)جواب ضرور عنایت فرمائیے !

پس اللہ تعالی ہم سب کو حق سمجھنے اور اس کو قبول کرنے کی توفیق عطافرمائے !آمین

۲۰ رکعات تراویح پر امت کا عمل ھے۔

پہلی صدی ھجری (۱ تا م۱۰۰ھ) میں حضرت عمرؓ (م ۲۲ھ) ، حضرت ابی بن کعبؓ (م ۳۲ھ)،سائب بن یزیدؓ (م ۹۱ھ)،عبد اللہ بن سائب مخزومیؓ (بعد م ۷۰ھ)،حضرت علیؓ (م ۴۰ھ)،حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (م ۳۳ھ)وغیرہ ۲۰ رکعات تراویح کے قائل ہیں۔**(الاحادیث المختارہ:حدیث نمبر ۱۱۶۱،مسند ابن الجعد :حدیث نمبر ۲۸۲۵،طبقات الکبری لابن سعد، الطبقۃ الرابعۃ من الصحابہ:ص۱۶۰ واسنادہ حسن بالمطابعات،السنن الکبری للبیہقی:۴۲۹۲ ، واللفظ لہ،۴۲۹۱،واسنادہ حسن لغرہ ،عمدۃ القاری، ۱۱/۱۲۷، واسنادہ صحیح مرسل، مختصر قیام اللیل للمروزی،ص: ۲۲۰۔۲۲۱)** اسی طرح تابعین میں شتیر بن شکلؒ، ابو البختریؒ، علی بن ربیعہؒ، سعید بن ابی الحسنؒ (م ۱۰۰ھ) ، سوید بن غفلہؒ (م ۸۰ھ)،وغیرہ بھی ۲۰ رکعات تراویح پڑتے، پڑھاتے تھے۔**(مصنف ابن ابی شیبہ، ۵/۲۲۰۔۲۲۵، فضائل رمضان لابن ابی الدنیا ،ص: ۸۰، ۸۳، السنن الکبری للبیہقی ،۲/۶۹۹)، دوسری صدی ھجری (م ۱۰۱ھ تا م ۲۰۰ھ) میں** عطاء بن ابی رباحؒ (م ۱۱۴ھ) ، ابن ابی ملیکہؒ (م ۱۱۷ھ)، حسن البصریؒ (م ۱۱۰ھ)وغیرہ بھی ۲۰ رکعات تراویح پڑتے، پڑھاتے تھے۔**(مصنف ابن ابی شیبہ، ۵/۲۲۰۔۲۲۵، فضائل رمضان لابن ابی الدنیا ،ص: ۸۰، ۸۳، السنن الکبری للبیہقی ،۲/۶۹۹)**اسی طرح امام سفیان الثوریؒ (م ۱۶۱ھ) اور عبد اللہ ابن مبارکؒ (م ۱۸۱ھ) بھی ۲۰ رکعات تراویح کے قائل ہے۔**(سنن ترمذی: ص ۱۹۷)، تیسری صدی ھجری(م ۲۰۱ ھ تا م ۳۰۰ھ) میں** امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ "فأما قيام شهر رمضان أحب إلى عشرون، لانه روى عن عمر رضی اللہ عنہ" ۔**(کتاب الام ، صفحہ /۱۰۵، باب الوتر ، حدیث : ۲۴۷) چوتھی صدی ھجری (م ۳۰۱ھ تا م ۴۰۰ھ) میں** امام ابو محمد عبد اللہ بن ابی زیاد عبد الرحمن القیروانیؒ (م ۳۸۶ھ) فرماتے ہیں کہ "وكان السلف الصالح يقومون فيه في المساجد بعشرين ركعة "۔**(متن الرسالۃ ، صفحۃ /۷۲)** ---باقی ص ۶۶ موجود ہے۔

حافظ ابن محرزؒ ائمہ جرح وتعدیل کی نظر میں

امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین بن عونؒ المتوفی ۲۳۳؁ھ کی مشہور کتاب معرفۃ الرجال ہے جس کو ان کے شاگرد حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن قاسم بن محرز البغدادیؒ نے ان سے روایت کی ہے۔ اور یہ حافظ ابن محرزؒ مقبول اور صدوق راوی ہیں۔

حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن محرزؒ کے کچھ شیوخ: حافظ احمد بن محمد بن محرزؒ نے بڑے بڑے کبار محدثین سے روایت کی ہے۔ مثلا

امام یحیی بن معینؒ (المتوفی ۲۳۳؁ھ)

امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱؁ھ)

امام علی بن المدینیؒ (المتوفی ۲۳۴؁ھ)

امام ابو بکر بن اَبی شیبہؒ (المتوفی ۲۳۵؁ھ)

امام محمد بن عبد اللہ بن نمیرؒ (المتوفی ۲۳۴؁ھ)

امام زہیر بن حربؒ، (المتوفی ۲۳۴؁ھ)

امام محمد بن جعفر الخراسانیؒ (المتوفی ۲۲۸؁ھ) وغیرہ سے روایت فرمائی ہے۔ دیکھئے: تاریخ بغداد جلد: ۵ صفحہ: ۲۸۸، معرفۃ الرجال جلد: ۱ صفحہ: ۱۲۱، معرفۃ الرجال جلد؛ ۲ صفحہ؛ ۳۸، ۶، ۱۷۶، ۲۲۳، ۲۱۴، ۲۔

حافظ ابن محرزؒ کے کچھ تلامذہ:

۱: امام ابو الفضل جعفر بن درستویہؒ

امام ابو الفضل جعفر بن درستویہؒ امام علی بن المدینیؒ، محمد بن آدمؒ، یمان بن سعیدؒ وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ امام حاکمؒ المتوفی ۴۰۵؁ھ آپ کو ثقہ کہتے ہیں، محدث ابن العدیمؒ (المتوفی ۶۶۰؁ھ) فرماتے ہیں کہ وہ (جعفرؒ) شاعر اور فقیہ تھے۔ امام خطیب البغدادیؒ (المتوفی ۴۶۳؁ھ) فرماتے ہیں کہ جعفر بن درستویہؒ کبار الفقہاء اور سمجھداروں میں سے ہیں۔ (توضیح المشتبہ لابن ناصر الدینؒ جلد: ۴ صفحہ: ۳۲، المحتضرین لابن ابی الدنیا رقم: ۳۳۵، بغیۃ الطلب جلد: ۳ صفحہ: ۱۱۸۹، مستدرک الحاکم جلد: ۲ صفحہ: ۶۷۶ حدیث: ۴۲۳۶، تاریخ بغداد جلد: ۹ صفحہ: ۴۳۵) لھذا آپؒ ثقہ ہیں،

۲: امام زکریا الساجیؒ (المتوفی ۳۰۷؁ھ) مشہور امام فقیہ اور ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب رقم: ۲۰۲۹) آپؒ بھی حافظ احمد بن محمد بن محرزؒ کے شاگرد ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ العسقلانی فرماتے ہیں کہ قال الساجی عن احمد بن محمد هو ابن محرز عن القعنبی رأیت شابا طویلا۔ امام ساجیؒ احمد بن محمد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن محرزؒ ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد؛ ۱۱ صفحہ: ۲۴۳)

اسکین:

الحمد لله الذى وفقنا و يسر لنا طبع

الجزء الحادى عشر

من كتاب

تهذيب التهذيب

للامام الحافظ الحجة شيخ الاسلام شهاب الدين

ابي الفضل احمد بن علي بن حجر العسقلاني

المتوفى سنة (۸۵۲) رحمه الله تعالى

بمنه و كرمه آمين

الطبعة الاولى

بمطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند

بمحروسة حيدرآباد الدكن عمرها الله الى اقصى الزمن

سنة (۱۳۲۷) هجرية

ج (۱۱) تهذيب التهذيب ۲۴۳ الياء - يحيى

ابن عبد الله بن خالد الهروى وغيرهم. قال الاثرم عن احمد كتبنا عن ابي زكرياء ولم يكن به بأس واثنى عليه وذكره ابن حبان فى الثقات (۱)

(۳۹۸) م - يحيى بن عبد الحميد بن عبد الله بن ميمون بن عبد الرحمن الحماني (۲) الحافظ ابو زكرياء الكوفي لقب جده بشمين. روى عن ابيه وسليمان بن بلال وقيس بن الربيع وعبد الرحمن بن سليمان بن الغسيل وعبد الرحمن بن زيد بن اسلم وعبد الواحد بن زياد وعبد الله بن المبارك وحماد بن زيد وجعفر بن سليمان وابراهيم بن سعد وجرير بن عبد الحميد و هشيم وابي عوانة وابي بكر ابن عياش وابي خالد الاحمر وابي معاوية الضرير وابن عيينة وشريك وخلق وعنه ابو حاتم ومطين وموسى بن هارون ومحمد بن ابراهيم البوشنجي ومحمد ابن ايوب بن الضريس وموسى بن اسحاق الانصارى وابو قلابة الرقاشي وعثمان بن خرزاذ وابن ابي الدنيا وعلي بن عبد العزيز البغوي وعبد الله بن احمد الدورقي وابو حصين محمد بن الحسين الوادعي وعبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوي وآخرون. قال الساجي عن احمد بن محمد هو ابن محرز عن القعنبي رأيت شابا طويلا فى مجلس ابن عيينة فقال من يسأل لاهل الكوفة ثم قال اين ابن الحماني فقام (۳) وعن ابراهيم بن بشار قال رأيت عند ابن عيينة جماعة من البصريين يذاكرون الحديث قال فتحرك سفيان للكوفية فقال اين ابن

(۱) (يحيى) بن عبد الله مولى ابي بكر. صوابه يحيى بن عثمان ۱۲ هامش

(۲) (الحماني) بكسر المهملة وتشديد الميم و(بشمين) بفتح الموحدة وسكون المعجمة ۱۲ تقريب (۳) زاد فى تهذيب الكمال فقال من انت فانتسب له فقال نعم كان ابوك جليسنا عند مسعر فجعل يسأل ۱۲ المصحح

معلوم ہوا کہ امام ساجیؒ کے استادوں میں احمد بن محمدؒ، یہ حافظ احمد بن محمد بن محرزؒ ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ شیخ زہیر عثمان بھی الکامل لابن عدی کے حاشیہ میں امام ساجیؒ کے استاد احمد بن محمد البغدادی کو حافظ ابن محرزؒ ہی بتایا ہے۔ (الکامل لابن عدی بتحقیق شیخ زہیر جلد:۱ صفحہ:۲۵۶)

اسکین:

ابن عدي ومنهجه

في كتاب

الكامل في ضعفاء الرجال

تأليف

د/ زهير عثمان علي نور

المجلد الأول

مكتبة الرشد
الرياض

شركة الرياض
للنشر والتوزيع

البخاري (۱)، عن يحيى بن معين، ومثاله ما جاء في ترجمة علي بن عابس، حيث قال ابن عدي: (حدثنا الجنيدي، ثنا البخاري، قال يحيى بن معين: رأيت عليّ بن عابس، ليس بشيء) (۲).

الطريق السادس عشر:

السماع من الساجي (۳)، عن أحمد بن محمد البغدادي (٤)، عن يحيى بن معين.

ومثاله قول ابن عدي في ترجمة مبارك بن فَضالة: (ثنا الساجي، حدثني أحمد بن محمد، سمعت يحيى بن معين يقول: مبارك بن فَضالة قدري) (٥).

الطريق السابع عشر:

الأخذ بالمكاتبة عن محمد بن أيوب (٦)، عن يحيى بن معين.

= حدث عنه: ولده تمام، وعقَيل بن عبدان، وأبو الحسن بن جهضم، وآخرون، وثقه عبد العزيز الكتاني، وتوفي سنة سبع وأربعين وثلاثمائة (۳٤۷ هـ)، انظر: سير أعلام النبلاء: ۱٦/ ۱۷، والنجوم الزاهرة: ۳/ ۳۲۱، وطبقات الحفاظ ص ۳٦٦.

(۱) تقدمت ترجمته: ۱/ ۲۱۷.

(۲) الكامل: ٥/ ۱۸۳٤.

(۳) تقدمت ترجمته: ۱/ ٦٥.

(٤) هو أحمد بن محمد بن قاسم بن محرز أبو العباس، البغدادي، يروي عن يحيى ابن معين، وحدث عنه جعفر بن درستويه بن المرزبان الفارسي وغيره، له رواية في كلام يحيى بن معين في الرجال، انظر: تاريخ بغداد: ٥/ ۸۳.

(٥) الكامل: ٦/ ۲۳۲۰.

(٦) هو محمد بن أيوب بن يحيى بن ضُرَيْس البجلي الرازي أبو عبد الله، صاحب كتاب فضائل القرآن، مولده في حدود عام مائتين وسمع: القَعْنَبي، ومسدداً، وسهل ابن بكار، وغيرهم، روى عنه: ابن أبي حاتم، وأحمد بن إسحاق الطيبي، وإسماعيل ابن نُجَيْد وعدة، وثقه ابن أبي حاتم وأبو يعلى، توفي سنة أربع وتسعين ومائتين، انظر: سير أعلام النبلاء: ۱۳/ ٤٤۹، والجرح والتعديل: ۷/ ۱۹۸، وطبقات الحفاظ ص ۲۸۲.

- ۲۹٦ -

لھذا آپ بھی حافظ ابن محرز کے شاگرد ہیں۔

اعتراض: کفایت اللہ سنابلی صاحب کا کہنا ہے کہ ابن محرزؒ مجہول ہیں۔

الجواب۔۱: یہ اعتراض ہی مردود ہے، کیوں کہ ابن محرزؒ سے ۲، ۲، راویوں نے روایت کیا ہے اور فقہاء و محدثین کا اصول ہے کہ جس مجہول راوی سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کر لیں تو وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ مقبول ہو جاتا ہے۔ جب حافظ ابن محرز سے ۲، ۲، لوگ روایت کر رہے ہیں تو وہ مقبول راوی ہوئے۔[21]

الجواب۔۲: اگر بقول غیر مقلدین کے حافظ ابن محرز کو مجہول مان بھی لیں تو کتاب معرفۃ الرجال یحیی بن معینؒ سے ثابت ہے کیوں کہ محدثین کا اصول ہے کہ جس کتاب کی نسبت اس کے مصنف کی طرف مشہور ہو کہ یہ کتاب فلاں مصنف کی ہے تو مصنف سے لیکر ہم تک اس کی سند دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔ یہ شہرت اس سند کو دیکھنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہ اصول مختلف الفاظ سے درج ذیل محدثین نے نقل فرمائے ہیں

۱: امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ)

۲: امام سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ)

۳: امام سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ)

۴: امام شمس الدین الکرمانیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ)

حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ یہ ہیں: لأن الكتاب المشهور الغني بشهرته عن اعتبار الإسناد منا إلى مصنفه (النکت لابن حجر جلد ۱ صفحہ: ۲۴۷، الکواکب الدریہ للکرمانی جلد: ۱ صفحہ: ۷، فتح المغیث للسخاوی جلد: ۱ صفحہ: ۶۵، تدریب الراوی للسیوطی جلد: ۱ صفحہ: ۱۶۰)

نوٹ۔۱: اس اصول کو کفایت اللہ صاحب بھی مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھئے انوار البدر صفحہ ۸ ۲

لیکن کیا کریں جب بات فرقہ اہل حدیث کے خلاف آئی تو کفایت اللہ صاحب نے اپنا ہی اصول بھول کر کتاب کو غیر ثابت قرار دے دیا، یہ موصوف کی دوغلی پالیسی کے ساتھ ساتھ علمی خیانت بھی ہے۔

الغرض یہ کتاب معرفۃ الرجال اہل علم کے درمیان مشہور و معروف ہے، چنانچہ:

۱: امام خطیب البغدادیؒ المتوفی ۴۶۳ھ اپنی کتاب تاریخ بغداد میں۔

۲: امام ابو القاسم ابن عساکرؒ المتوفی ۵۷۱ھ تاریخ دمشق میں۔

۳: محدث کمال الدین بن العدیمؒ المتوفی ۶۶۰ھ بغیۃ الطلب میں۔

---

[21] دیکھئے ص ۴۴

۴: امام جمال الدین المزیؒ المتوفی ۷۴۲ھ تہذیب الکمال میں۔

۵: امام شمس الدین الذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء میں۔

۶: امام مغلطائیؒ المتوفی ۷۶۲ھ اکمال تہذیب الکمال میں۔

۷: امام ابن کثیرؒ المتوفی ۷۷۴ھ البدایہ والنہایہ میں۔

۸: امام ابن حجر العسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب میں۔

۹: امام بدرالدین العینیؒ المتوفی ۸۵۵ھ مغانی الاخیار میں۔ اور

۱۰: امام قاسم بن قطلوبغاؒ ۸۷۹ھ کتاب الثقات میں۔

اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے اس کتاب کا اور اس میں موجود اقوال کا ذکر کیا ہے اور بعض نے اپنی سند سے بھی اس کتاب سے اقوال نقل کئے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ کتاب محدثین کے نزدیک بھی مشہور و معروف ہے۔ تو پھر کفایت اللہ صاحب کے اعتراض کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے!

نوٹ۔۲: بعض محدثین نے اس کتاب ''معرفۃ الرجال'' سے استدلال بھی کیا ہے دلیل بھی پکڑی ہے۔ مثلاً۔۔

۱: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ جنکو زبیر علی زئی صاحب حافظ الدنیا، امیر المؤمنین فی الحدیث ثابت کرتے ہیں (دیکھئے نور العین) یہی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام ابن معینؒ کے قول سے دلیل پکڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سفیان کی روایت میں مؤمل بن اسماعیل کی حدیث ضعیف ہے۔ (فتح الباری جلد: ۹ صفحہ: ۲۳۹)

اور ابن حجرؒ کا یہ فیصلہ، امام یحیی بن معینؒ کے قول کی وجہ ہے، کیونکہ انھوں نے بھی مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں یہی کہا ہے، جس کا اقرار کفایت اللہ صاحب بھی کرتے ہیں۔ (دیکھئے انوار البدر صفحہ: ۱۷۵)

امام ابن معینؒ کا یہ قول ان کی اسی کتاب ''معرفۃ الرجال'' میں ہی موجود ہے، جسکو حافظ ابن محرزؒ نے روایت کیا ہے (دیکھئے معرفۃ الرجال جلد: ۱ صفحہ: ۱۱۴)

معلوم ہوا کہ ابن حجرؒ کے نزدیک یہ کتاب ابن معینؒ سے ثابت ہے تبھی تو انھوں نے ان کے قول سے دلیل پکڑی ہے الغرض کفایت صاحب کا یہ اعتراض اس لحاظ سے بھی باطل و مردود ہے۔

کفایت اللہ صاحب کی چند اور دوغلی پالیسیاں:

چونکہ معرفۃ الرجال میں کفایت صاحب کے مسلک کے خلاف بات آئی تھی اس لئے انہوں نے اس کتاب کے راوی پر مجہول ہونے کی جرح کر کے اسے رد کر دیا۔

۱۔ جب ایک دوسری کتاب علل ترمذی کے بارے میں زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ کتاب علل الکبیر امام ترمذیؒ سے بسند صحیح ثابت ہی نہیں، اس کا راوی ابو حامد مجہول الحال ہے۔ (ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۱۰۲ صفحہ: ۲۷) لیکن چونکہ اس کتاب "علل ترمذی" میں کفایت صاحب کے مسلک کی تائید میں کچھ باتیں تھیں۔ اس لئے اس کتاب کا نقل کرنے والا راوی اگرچہ (بقول زئی صاحب کے) مجہول تھا لیکن پھر بھی کفایت صاحب نے اپنا اصول بھلا یا اور کہنے لگے:

یہ کتاب ہماری نظر میں امام ترمذیؒ کی ہی ہے یہ ثابت ہے ہمارے ناقص علم کے مطابق اہل علم میں سے کسی نے بھی اس کتاب کا انکار نہیں کیا ہے نیز ابو حامد التاجر کو مجہول کہنا بھی غلط ہے۔ اور کتاب کے ثبوت اور عدم ثبوت کے متعلق علامہ البانی نے جو اصول پیش کیا ہے وہی راجح ہے۔ (یزید بن معاویہ پر الزامات کا جائزہ۔ صفحہ: ۱۱۴)

اسکین:

114

ما أقلَّ تدليسَه" باسند صحیح ثابت نہیں، جیسا کہ "الفتح المبین" کے جدید نسخے میں اصلاح کر دی گئی ہے اور یہ نسخہ چھپنے کے لیے مکتبہ اسلامیہ پہنچ چکا ہے۔ العلل الکبیر کا بنیادی راوی ابو حامد التاجر مجہول الحال ہے۔ لہٰذا یہ کتاب ہی ثابت نہیں"[1]

یہاں بھی مسئلہ اس قول کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس اسلوب میں اپنا فیصلہ پیش کیا ہے، کیا اس اسلوب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا فیصلہ قابلِ قبول ہے یا نہیں؟[2]

حافظ زبیر علی زئی حالیہ دنوں میں اس قول کو غیر ثابت مان رہے ہیں، لیکن جن دنوں موصوف کی نظر میں یہ قول ثابت تھا، ان دنوں مذکورہ اسلوب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا فیصلہ آں جناب نے کیسے قبول کر لیا؟ کیا اس وقت یہ قول موصوف کی نظر میں باسند تھا اور آج بے سند ہو گیا ہے؟ یہ اصل مسئلہ ہے، اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

واضح رہے کہ ہماری نظر میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ کتاب ثابت ہے، ہمارے ناقص علم کے مطابق اہلِ علم میں سے کسی نے بھی اس کتاب کا انکار نہیں کیا، نیز ابو حامد التاجر کو مجہول کہنا بھی غلط ہے اور کتاب کے ثبوت و عدمِ ثبوت سے متعلق علامہ البانی رحمہ اللہ نے جو اُصول پیش کیا ہے، وہی راجح ہے۔ لیکن ان سب باتوں کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے ہم ان سے صَرفِ نظر کرتے ہیں۔[3]

۞ ہم نے ایک اور مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

"اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ بہت سے رواۃ کو منکر الحدیث اور بہت سے رواۃ کو معروف الحدیث کہتے ہیں، مثلاً:

① "الحدیث" (ص: ۳۱ شمارہ: ۱۰۲، ص: ۲۷) رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۴) مقالات (۶/ ۵۸۸)

② یہاں پر موصوف نے تو اپنے مستدل قول کو غیر ثابت کہہ کر جان چھڑا لی، لیکن موصوف نے ایک دوسرے مقام پر ابو قلابہ کی تدلیس کا دفاع کرتے ہوئے کہا: "امام ابو حاتم الرازی نے انھیں ثقہ کہا اور فرمایا: "لا يعرف له تدليس" اس کا تدلیس کرنا معروف نہیں ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۵/ ۵۸) معلوم ہوا کہ آپ ہرگز مدلس نہیں تھے۔" (مسئلہ فاتحة خلف الإمام، ص: ۴۵) اب کیا اپنے اس مستدل قول کو بھی غیر ثابت کہہ کر رد کر دیا جائے گا؟

③ اسی کتاب کا صفحہ (۳۶۳) دیکھیں۔

افسوس کفایت صاحب! یہ لینے کے اصول اور دینے کے اور ایسا کیوں؟؟ کیا یہی آپ کا انصاف ہے؟ کیا آپ کو "معرفۃ الرجال" مشہور و معروف نظر نہیں آئی؟ غرض یہ کہ کفایت صاحب نے یہاں اپنی دوغلی پالیسی کا ثبوت دے دیا۔

۲ : اسی طرح اہل حدیث مسلک کے زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ سوالات الآجری (ایک کتاب ہے جو) امام ابو داوٗدؒ سے ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ ابو عبید الآجریؒ مجہول ہیں۔ (ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۱۰۲ صفحہ ۳۷)

اسکین:

نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثًا فحفظه حتی یبلغه

ماہنامہ اشاعة الحدیث حضرو

102

ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
فروری ۲۰۱۳ء

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

رسول اللہ ﷺ اور بعض غیب کی اطلاع
کھلے راز، چھپے راز کے افتراءات کا جواب
امام ابوداود سلیمان بن اشعث السجستانی رحمہ اللہ
سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر اور نکاح
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا عقیدہ

مکتبۃ الحدیث حضرو اٹک: پاکستان
www.irpck.com

الحدیث:102 — 37

"وكان ثقة نبيلاً من ذوي الدراية، حافظًا شديد التحفظ في الرواية"

آپ ثقہ نبیل (اور) درایت والوں میں سے تھے، حافظِ حدیث تھے (اور) روایت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ (التبیان لبدیعة البیان ۲/ ۸۷۰)

۹: حافظ ابن کثیر المورخ والمفسر نے فرمایا: "صاحب السنن... أحد الأئمة الراحلين الجوّالين في الآفاق والأقاليم ..." (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۳۱۰ وفیات ۲۷۵ھ)

۱۰: حافظ ابن عبدالہادی (متوفی ۷۴۴ھ) نے فرمایا:

"الإمام الثبت، سيد الحفاظ" (طبقات علماء الحدیث ۲/ ۲۹۰ ت ۵۸۴)

۱۱: حافظ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: کیا بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداود طیالسی، دارمی، بزار، دارقطنی، بیہقی، ابن خزیمہ اور ابویعلیٰ الموصلی مجتہدین میں سے تھے جنھوں نے ائمہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کی، یا یہ مقلدین میں سے تھے؟

انھوں نے فرمایا: بخاری اور ابوداود تو فقہ میں اہل اجتہاد میں سے دو امام (یعنی مجتہدِ مطلق) تھے اور مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابویعلیٰ، بزار اور ان جیسے دوسرے سب اہل حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے اور نہ وہ مجتہدین مطلق والے اماموں میں سے تھے۔ الخ (مجموع فتاویٰ ۲۰/ ۳۹۔۴۰)

تنبیہ: مجتہدینِ مطلق والی بات کی نفی میں نظر ہے۔ واللہ اعلم

یہ حوالے مشتے از خروارے ہیں۔ نیز دیکھئے تہذیب الاسماء واللغات للنووی (۲/ ۲۲۵)

علمی خدمات: آپ نے درج ذیل کتابیں لکھیں:

سنن ابی داود، کتاب القدر، کتاب الزہد، رسالۃ فی وصف تالیفہ لکتاب السنن سوالات ابی داود للامام احمد، کتاب المراسیل، فضائل الانصار، مسند مالک اور الناسخ والمنسوخ وغیرہ۔

تنبیہ: سوالات الآجری کے نام سے جو کتاب مطبوع و مخطوط ہے وہ ابو عبید الآجری (مجہول) کی وجہ سے امام ابوداود سے ثابت ہی نہیں۔

وفات: ۲۷۵ھ، رحمہ اللہ رحمةً واسعة (۲۷/ رجب ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۸/ جون ۲۰۱۲ء)

لیکن چونکہ اس کتاب میں بھی کفایت صاحب کو اپنے مسلک کی تائید میں کچھ باتیں نظر آئیں تو انھوں نے یہاں بھی اپنا اصول بھلا کر خوشی خوشی اس کتاب کو امام ابو داوٗدؒ سے ثابت مانا اور اس سے دلیل دی بھی دی ہے۔ (انوار البدر صفحہ: ٦٨)

اسکین:

انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر — 1

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا، دلائل، اور شبہات کا ازالہ

اَنْوارُ البَدْر

فی

وَضْعِ الیَدیْنِ علی الصَدْر

از

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

ناشر

اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی

انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر — 68

آپ میں کوئی حرج نہیں آپ ثقہ ہیں۔ [سؤالات الآجري: ٥/الورقة: ١٨ بحواله حاشيه تهذيب الكمال للمزي: ١٢/ ٩٨]۔ (ا)

امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

محله الصدق وفي حديثه بعض الاضطراب.

آپ سچے ہیں اور آپ کی بعض احادیث میں اضطراب ہے۔ [الجرح والتعديل: ٤/ ١٤١]۔

عرض ہے کہ ابوحاتم نے صرف ان کی بعض احادیث میں اضطراب بتلایا ہے یعنی ان کی اکثر احادیث صحیح و سالم ہے اور اصول حدیث کا بنیادی قانون ہے کہ غالب حالت ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس لئے غالب حالت کے اعتبار سے ان کی احادیث صحیح و سالم ہیں۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے آپ کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

كان فقيها ورعا.

آپ فقیہ اور پرہیزگار تھے۔ [الثقات لابن حبان ت العثمانية: ٦/ ٣٨٠]۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳٦۵) نے کہا:

ثبت صدوق.

آپ ثبت اور صدوق ہیں۔ [الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ٤/ ٢٦٢]۔

(ا) امام ذہبی نے ابوعبید الآجری پر جرح سے نقل کی ہے [سیر أعلام النبلاء: ۱۱/ ۳۷۷] اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں حافظ کہا ہے [ایضا: ۹/ ۳٦] ۔ یہ قرینہ بتاتا ہے کہ امام ذہبی کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ بالخصوص جبکہ امام ذہبی نے "حافظ" کا درجہ ثقہ سے بھی بڑھ کر بتلایا ہے [الموقظة للذهبي: ص ۵۵] نیز تمام اہل فن نے بالاتفاق ان سے حجت پکڑی ہے یہ بھی ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔ بالفرض یہ ثقہ نہیں ہیں تو کم از کم ان کے عادل ہونے میں کلام نہیں کیونکہ بغیر کسی جرح کے امام مزی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر جیسے اہل فن نے انہیں حافظ کہا ہے۔ [تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳٦۱، سیر أعلام النبلاء: ۱۱/ ۳۷۷، تہذیب التہذیب: ۴/ ۱۷۰]۔ نیز تمام محدثین واہل علم نے ان سے حجت پکڑی ہے۔

پھر جب یہ عادل ہیں تو انہوں نے امام ابوداؤد سے براہ راست اقوال نقل کئے ہیں اس لئے یہاں ضبط کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور رہی نسخہ کی سند تو ان کی یہ کتاب اہل فن کے مابین متداول اور مشہور رہی ہے اور ایسا نسخہ سند کا محتاج نہیں ہوتا، دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۳۵۳، ۳۵۴۔

۳: کفایت صاحب کے مطابق "سوالات الآجری" کتاب کی سند ہی موجود نہیں ہے، لیکن پھر کفایت صاحب محض اپنے مسلک کی اندھی تقلید میں اسے ثابت مان رہے ہیں۔(انوارالبدر صفحہ:۶۸)

اسکین:

انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر — 1

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا، دلائل، اور شبہات کا ازالہ

اَنوارُ البَدُر

فی

وَضعِ الیَدیْنِ علی الصَدُر

از

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

ناشر

اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی

انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر — 68

آپ میں کوئی حرج نہیں آپ ثقہ ہیں۔[سوالات الآجری:۵/الورقة:۱۸ بحوالہ حاشیہ تهذیب الکمال للمزی:۱۲/۹۸]۔(۱)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

محله الصدق وفی حدیثه بعض الاضطراب.

آپ سچے ہیں اور آپ کی بعض احادیث میں اضطراب ہے۔[الجرح والتعدیل:۴/۱۴۱]۔

عرض ہے کہ ابوحاتم نے صرف ان کی بعض احادیث میں اضطراب بتلایا ہے یعنی ان کی اکثر احادیث صحیح وسالم ہے اور اصول حدیث کا بنیادی قانون ہے کہ غالب حالت ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔اس لئے غالب حالت کے اعتبار سے ان کی احادیث صحیح وسالم ہیں۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے آپ کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

كان فقيها ورعا.

آپ فقیہ اور پرہیزگار تھے۔[الثقات لابن حبان ت العثمانية:۶/۳۸۰]۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۶۵) نے کہا:

ثبت صدوق.

آپ ثبت اور صدوق ہیں۔[الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:۴/۲۶۲]۔

(۱) امام ذہبی نے ابوعبید الآجری پر جرح سے نفی کی ہے [سیر أعلام النبلاء:۱۱/۳۷۷] اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں حافظ کہا ہے [ایضا:۹/۳۶]۔ یہ قرینہ بتاتا ہے کہ امام ذہبی کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ بالخصوص جبکہ امام ذہبی نے "حافظ" کا درجہ ثقہ سے بھی بڑھ کر بتلایا ہے [الموقظة للذہبی ص۵۵] نیز تمام اہل فن نے بالاتفاق ان سے حجت پکڑی ہے یہ بھی ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔ بالفرض یہ ثقہ نہیں ہیں تو کم از کم ان کے عادل ہونے میں کلام نہیں کیونکہ بغیر کسی جرح کے امام مزی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر جیسے اہل فن نے انہیں حافظ کہا ہے۔[تهذیب الکمال:۱۱/۳۹۱، سیر أعلام النبلاء:۱۱/۳۷۷، تهذیب التهذیب:۴/۱۷۰]۔ نیز تمام محدثین واہل علم نے ان سے حجت پکڑی ہے۔

پھر جب یہ عادل ہیں تو انہوں نے امام ابوداؤد سے براہ راست اقوال نقل کئے ہیں اس لئے یہاں ضبط کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور رہی نسخہ کی سند تو ان کی یہ کتاب اہل فن کے مابین متداول اور مشہور رہی ہے اور ایسا نسخہ سند کا محتاج نہیں ہوتا، دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص۳۵۳، ۳۵۴۔

جبکہ ہماری کتاب کی سند بھی ثابت ہے اور راوی حافظ ابن محرزؒ بھی مقبول ہیں، جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

لیکن چونکہ اس کتاب میں فرقہ اہل حدیث کے خلاف بات بھی موجود ہے، اس لئے صرف اسی وجہ سے کفایت صاحب نے سند ہونے کے باوجود اس کتاب کو رد کر دیا ہے۔

قارئین! اس طرح کے دھوکے تقلید کے نام پر غیر مقلدین اہل حدیث فرقہ عموماً عوام کو دیتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالی ایسے دھوکے اور ایسے فرقے سے امت کی حفاظت فرمائے۔۔ آمین!

۴: سوالاتِ آجری کے راوی ابو عبید الآجریؒ کے بارے میں کفایت صاحب کہتے ہیں کہ تمام اہل فن نے بالاتفاق ان سے حجت پکڑی ہے یہ بھی ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔

جبکہ زبیر علی زئی کی تحقیق کے مطابق ابو عبید الآجریؒ مجہول ہیں، لیکن کفایت صاحب کہتے ہیں کہ تمام اہل فن نے ان سے حجت پکڑی ہے، اور یہ ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔(انوارالبدر صفحہ:۶۸)

اسکین:

انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر 1

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا، دلائل، اور شبہات کا ازالہ

اَنْوارُ البَدْر

فی

وَضْعِ الیَدیْنِ علی الصَدْر

از

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

ناشر

اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی

68 انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر

آپ میں کوئی حرج نہیں آپ ثقہ ہیں ۔[سؤالات الآجری:۵/الورقة :۱۸ بحواله حاشيه تهذيب الكمال للمزی:۱۲/۹۸]۔(۱)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

محله الصدق وفی حديثه بعض الاضطراب.

آپ سچے ہیں اور آپ کی بعض احادیث میں اضطراب ہے۔[الجرح والتعديل :۴/۱۴۱]۔

عرض ہے کہ ابوحاتم نے صرف ان کی بعض احادیث میں اضطراب بتلایا ہے یعنی ان کی اکثر احادیث صحیح وسالم ہے اور اصول حدیث کا بنیادی قانون ہے کہ غالب حالت ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس لئے غالب حالت کے اعتبار سے ان کی احادیث صحیح وسالم ہیں۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے آپ کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

كان فقيها ورعا.

آپ فقیہ اور پرہیزگار تھے۔[الثقات لابن حبان ت العثمانية:۶/۳۸۰]۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۶۵) نے کہا:

ثبت صدوق.

آپ ثبت اور صدوق ہیں۔[الكامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:۴/۲۶۲]۔

(۱) امام ذہبی نے ابوعبید الآجری پر جرح سے نفی کی ہے [سیر أعلام النبلاء :۱۱/۳۷۷] اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں حافظ کہا ہے [ایضا:۹/۳۶]۔ یہ قرینہ بتاتا ہے کہ امام ذہبی کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ بالخصوص جبکہ امام ذہبی نے "حافظ" کا درجہ ثقہ سے بھی بڑھ کر بتلایا ہے [الموقظة للذهبی :ص ۵۵] نیز تمام اہل فن نے بالاتفاق ان سے حجت پکڑی ہے یہ بھی ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔ بالفرض یہ ثقہ نہیں ہیں تو کم از کم ان کے عادل ہونے میں کلام نہیں کیونکہ بغیر کسی جرح کے امام مزی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر جیسے اہل فن نے انہیں حافظ کہا ہے۔[تھذیب الکمال:۱۱/۳۶۱، سیر أعلام النبلاء: ۱۱/۳۷۷، تھذیب التھذیب:۴/۱۷۰]۔ نیز تمام محدثین واہل علم نے ان سے حجت پکڑی ہے۔

پھر جب یہ عادل ہیں تو انہوں نے امام ابوداؤد سے براہ راست اقوال نقل کئے ہیں اس لئے یہاں ضبط کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور رہی نسخہ کی سند تو ان کی یہ کتاب اہل فن کے مابین متداول اور مشہور رہی ہے اور ایسا نسخہ سند کا محتاج نہیں ہوتا، دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۳۵۳،۳۵۴۔

مگر افسوس کفایت صاحب نے ابن محرز کے بارے اپنا اصول بھلا دیا کہ ان سے بھی تمام اہل فن نے حجت پکڑی ہے، اور ان کے اقوال کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ اور کفایت صاحب نے صاف کہدیا کہ ابن محرزؒ مجہول راوی ہیں۔

یہ بھی کفایت صاحب کی ایک اور دوغلی پالیسی ہے۔

اور سلفی شیخ علی بن محمد العمران لکھتے ہیں :

ابن محرزؒ یہ وہ صاحب ہیں جنھوں نے یحیی بن معین سے سوالات کئے ہیں جو معرفۃ الرجال کے نام سے مطبوع (چھپے) ہیں ان کے مفصل حالات معلوم نہیں لیکن ان کے سوالات دلالت کرتے ہیں کہ انہیں حدیث کا علم ہے انہوں نے یحیی بن معین سے ۲۲۵ھ سے پہلے ملاقات کی ہے اور ان کی وہ روایتیں جو انہوں نے یحیی بن معین سے کی ہیں خطیب نے اپنے تاریخ میں اور حافظ نے تہذیب میں اور مغلطائی نے اکمال میں اور ذہبی نے اپنی کتابوں میں اعتماد کیا ہے۔(تراجم منتخبة للمعلمی بتحقیق شیخ علی بن محمد العمران: ص ۱۶۷-۱۶۸)

معلوم ہوا کہ خود کفایت اللہ سنابلی صاحب کے اپنے علماء کے نزدیک بھی ابن محرزؒ ثقة ہے۔

کچھ سوالات: اگر کفایت صاحب کا یہی اصول ہے کہ ہر کتاب کو نقل کرنے والا راوی ثقہ ہو، مجہول نہ ہو تو ہماری گزارش یہ ہے کہ آپ۔۔۔

۱۔ علل ترمذی

۲۔ سوالاتِ آجری کو کیوں ثابت مانتے ہیں جبکہ ان کتابوں کی سندوں میں بھی مجہول راوی ہیں۔

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں کتابیں مشہور و معروف ہیں، تو آپ کو معرفۃ الرجال کا مشہور و معروف ہونا نظر نہیں آیا؟ غرض اس کی تفصیل ہم نے اوپر بیان کر دی ہے، ساتھ ساتھ ابن حجرؒ کا اس کتاب سے استدلال بھی ذکر کیا ہے۔

الغرض گذارش یہ ہے کہ --

۱: یہاں تو یہ دوغلی پالیسی چھوڑ دیں اور ہماری کتاب ''معرفۃ الرجال بروایت ابن محرزؒ'' کو بھی ثابت مان لیں۔

۲: یا ہماری کتاب کے ساتھ ساتھ ان دونوں کتابوں (علل ترمذی اور سوالاتِ آجری) کو بھی غیر ثابت مان لیں۔

۱: نیز امام بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ کی مشہور کتاب ضعفاء صغیر کی سند کچھ یوں ہے:

أخبرنا الشیخ الإمام العالم ابو عبدالله محمد بن عمر بن عبد الغالب العثمانی قرائة علیه و أنا فی لیلة العشرین من شهر رمضان سنة اربع عشرة وستمائة قدم علینا حلب قال اخبرنا الشیخ ابو عبدالله محمد بن أحمد بن عبدالله بن الحسین الفارانی، انبأنا أبو علی الحسن بن احمد الحسن الحداد إجازة، أنبأنا ابو نعیم أحمد بن عبدالله بن احمد الحافظ، ثنا أبو أحمد محمد بن احمد بن الغطریف العبدی الدهستانی بجرجان بسنة إحدی و سبعین و ثلاثمائة قرئت علیه فی أصله فأقر به، قال قرأت علی آدم بن موسی الخواری، ثنا أبو عبدالله محمد بن اسماعیل۔ (ضعفاء صغیر للبخاری صفحہ: ۹۱۰)

کتاب ضعفاء صغیر للبخاری کی سند میں ایک راوی ''ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عبد اللہ بن الحسین الفارانیؒ'' مجہول راوی ہیں۔ اب کیا کفایت صاحب اس کتاب کا بھی انکار کریں گے؟ کیونکہ اس میں بھی ہماری کتاب کی طرح مجہول راوی موجود ہے۔

۲: امام بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ کی دو اور مشہور کتابیں ''جزء قرأت خلف الامام'' اور ''جزء رفع الیدین'' کی سند یہ ہے: أخبرنا الشیخ الامام العلامة الحافظ المتقن بقیة السلف زین الدین أبو الفضل عبد الرحمن بن الحسین بن العراقی و الشیخ الامام الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی بقرائتی علیهما قالا أخبرتنا الشیخة الصالحة أم محمد ست العرب بنت محمد بن علی بن احمد بن عبد الواحد بن البخاری قالت أخبرنا جدی الشیخ فخر الدین بن البخاری قراءة علیه و أنا حاضر و إجازة لما یرویه قال أخبرنا ابو حفص عمر بن محمد بن معمر بن طبرزد سماعا علیه أخبرنا ابو غالب احمد بن الحسن بن البناء أخبرنا ابو الحسین محمد بن أحمد بن حسنون النرسی، أخبرنا ابو نصر محمد بن احمد بن موسی الملاحمی، أخبرنا ابو اسحاق محمود بن اسحاق بن محمود الخزاعی قال: أخبرنا ابو عبدالله محمد بن اسماعیل بن ابراهیم البخاری علیه السلام۔ (جزء رفع الیدین صفحہ: ۲۷ مترجم زبیر علی زئی)

اس کتاب کی سند میں بھی ایک راوی ابو اسحاق محمد بن اسحاق الخزاعیؒ ہیں جو کہ مجہول ہیں۔ ان کو بھی کسی امام نے صراحۃ ثقہ نہیں کہا ہے۔ زبیر علی زئی صاحب نور العین میں لکھتے ہیں کہ:

۱۔ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے محمود بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کو حسن کہا ہے۔ (موافق الخبر لابن حجر جلد: ۱ صفحہ: ۴۱۷)

پھر آگے لکھتے ہیں کہ راوی کی منفرد روایت کو حسن و صحیح کہنا اس راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (نور العین صفحہ: ۵۲۶)
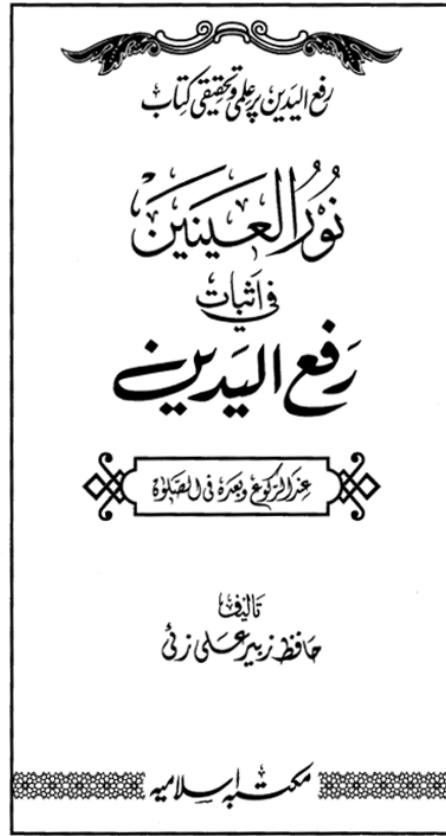
اسکین:

نور العینین فی اثبات رفع الیدین 526

الحسین الرازی) کو ثقہ اور ثبت قرار دیا ہے، کسی ایک نے بھی ان دونوں پر کوئی (جرح والا) کلام نہیں کیا تو تمھارا یہ کہنا: ہم ان پر اعتماد نہیں کرتے، کیا فائدہ دے گا؟

(التنکیل بمافی تانیب الکوثری من الاباطیل ۱/۴۷۵ ت ۲۴۲)

اب محمود بن اسحاق رحمہ اللہ کی صریح اور غیر صریح توثیق کے دس سے زیادہ حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: حافظ ابن حجر العسقلانی نے محمود بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کو "حسن" قرار دیا ہے۔ (دیکھئے موافقۃ الخُبر الخَبر فی تخریج احادیث المختصر ۱/۴۱۷)

تنبیہ: راوی کی منفرد روایت کو حسن یا صحیح کہنا، اُس راوی کی توثیق ہوتی ہے۔

(دیکھئے نصب الرایہ ۱/۱۴۹، ۳/۲۶۴)

۲: علامہ نووی نے جزء رفع الیدین سے ایک روایت بطورِ جزم نقل کی اور فرمایا:

" یاسنادہ الصحیح عن نافع " (المجموع شرح المہذب ۳/۴۰۵)

معلوم ہوا کہ نووی جزء رفع الیدین کو امام بخاری کی صحیح وثابت کتاب سمجھتے تھے۔

۳: ابن الملقن (صوفی) نے جزء رفع الیدین سے ایک روایت بطورِ جزم نقل کی اور فرمایا:" یاسناد صحیح عن نافع عن ابن عمر " (البدر المنیر ۳/۴۷۸)

۴: زیلعی حنفی نے جزء رفع الیدین سے روایات بطورِ جزم نقل کیں۔

(دیکھئے نصب الرایہ ۱/۳۹۰، ۳۹۳، ۳۹۵)

۵: مشہور محدث ابو بکر البیہقی رحمہ اللہ نے محمود بن اسحاق کی روایت کردہ کتاب: جزء القراءۃ للبخاری کو بطورِ جزم امام بخاری سے نقل کیا ہے۔

(مثلاً دیکھئے کتاب القراءۃ خلف الامام للبیہقی ص ۲۳ ح ۴۸)

۶: علامہ ابو الحجاج المزی رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ کو بطورِ جزم امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ (مثلاً دیکھئے تہذیب الکمال ج ۳ ص ۱۷۲، سعید بن سنان البرجمی)

۷: عینی حنفی نے جزء رفع الیدین کو امام بخاری سے بطورِ جزم نقل کیا ہے۔

یادرہے کہ زبیر علی زئی صاحب نے اصول نقل کیا ہے "کہ راوی کی **منفرد روایت** کو حسن و صحیح کہنا اس راوی کی توثیق ہوتی ہے" اب جس روایت کو ابن حجرؒ نے حسن کہا ہے کیا اس روایت میں محمود بن اسحاقؒ منفرد ہیں؟

حافظ ابن حجرؒ محمود بن اسحاقؒ کی روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

هذا حديث حسن أخرجه أبو داؤد ﷺ عن أبي الوليد على الموافقة وأخرجه احمد عن عبد الصمد عن عبد الوارث عن همام وأخرجه ابن حبان في صحيحه عن أبي يعلى عن أبي عن عبد الصمد

یہ حدیث حسن ہے اس کی تخریج امام ابو داوٗدؒ نے ابو الولید سے اور امام احمدؒ نے عن عبد الصمد بن عبد الوارث عن ھمام کی سند سے اور امام ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں اس روایت کی تخریج عن ابی یعلی عن ابی خثیمہ عن عبد الصمد کی سند سے۔ (موافقۃ الخبر لابن حجر جلد: ۱ صفحہ ۴۱۷)

اسکین:

كتاب
موافقة الخُبر الخَبر
في
تخريج أحاديث المختصر

للإمام الحافظ علي بن أحمد بن حجر العسقلاني
٧٧٣هـ/٨٥٠هـ

الجزء الأول

حققه وعلق عليه

حمدي عبدالمجيد السلفي — صبحي السيد جاسم السامرائي

الناشر
مكتبة الرشد
الرياض

محمد بن عبدالمؤمن أخبرنا أبو البركات بن ملاعب أخبرنا أبو الفضل الأرموي أخبرنا أبو الغنائم بن المأمون أخبرنا أبو نصر محمد بن أحمد أخبرنا محمود بن إسحاق الخزاعي حدثنا محمد بن إسماعيل البخاري في كتابه القراءة خلف الإمام حدثنا أبو الوليد هو الطيالسي حدثنا همام حدثنا قتادة عن أبي نضرة عن أبي سعيد الخدري رضى الله عنه قال: أمرنا نبينا ﷺ أن نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر[1].

هذا حديث حسن أخرجه أبو داود عن أبي الوليد على الموافقة[2]، وأخرجه أحمد عن عبدالصمد بن عبدالوارث عن همام[3]. وأخرجه ابن حبان في صحيحه عن أبي يعلى عن أبي خيثمة عن عبدالصمد[4]، فوقع لنا عاليا على طريقه. وإسناده على شرط مسلم، لكن أعله البخاري بعنعنة قتادة وهو مدلس، وأشار الدارقطني في العلل إلى أن الراجح وقفه.

وله طريق أخرى عن أبي نضرة.

أخبرني عمر بن محمد بن أحمد بن سلمان أخبرنا أبو بكر بن محمد بن عبدالجبار أخبرنا محمد بن إسماعيل الخطيب أخبرنا يحيى بن محمود أخبرنا محمد بن خالد في آخرين قالوا أخبرنا أبو الطيب عبدالرزاق بن عمر أخبرنا أبو بكر بن المقري حدثنا محمد بن جعفر بن يحيى حدثنا إبراهيم بن العلاء حدثنا إسماعيل بن عياش حدثنا أبو حنيفة عن أبي سفيان هو السعدي عن أبي نضرة عن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: «لَا تَصُحُّ صَلَاةٌ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَمَعَها غَيْرُها».

هذا حديث غريب. أخرجه الترمذي وابن ماجه وابن عدي في الكامل

---

(١) رواه البخاري في جزء القراءة (ص٦).
(٢) رواه أبوداود (٨١٨).
(٣) رواه أحمد (٣/٣) هكذا، ورواه (٣/٩٧) عن عفان عن همام به.
(٤) رواه أبويعلى (١٢١٠) وعنه ابن حبان (١٧٧٧ و١٧٨٤).

- ٤١٧ -

معلوم ہوا کہ ابن اسحاقؒ منفرد نہیں ہیں تو خود انہیں کے اصول کے مطابق وہ ثقہ کیسے ہوں گے۔ اسی طرح کے دھوکے اہل حدیث فرقے کے لوگ بیچاری عوام کو دیتے رہتے ہیں۔

خلاصہ کلام :

الغرض امام بخاریؒ کی ان کتابوں کی سندوں میں مجہول راوی ہیں امید ہے کہ کفایت صاحب یہاں پر بھی ان روایات کو مجہول کہ کر ان کتابوں کا بھی انکار کریں گے جس طرح انھوں نے ہماری کتاب کا انکار کیا تھا اور نہ جو جواب کفایت صاحب ان کتابوں کے بارے میں دیں گے کہ یہ کتابیں مشہور ہیں تو وہی جواب ہمارا جواب ہو گا ابن معینؒ کی ” معرفۃ الرجال “ کے بارے میں۔

پس اللہ تعالیٰ ہمیں مسلکی تعصب سے محفوظ فرمائے۔۔ اور حق سمجھنے اور اس کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔۔۔ آمین!

ایک اصول کی وضاحت:

فقہاء و محدثین کا اصول ہے کہ **"جس مجہول راوی سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں تو وہ مجہول نہیں بلکہ مقبول ہوتا ہے"**۔ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱: امام ابن عبد البرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "قد روی عنه ثلاثة وقد قیل رجلان فلیس بمجهول" اس سے تین یا دو آدمیوں نے روایت کیا ہے لہذا وہ مجہول نہیں ہے۔ (الاستذکار جلد: ۱ صفحہ ۱۸۰)

۲: امام ابو جعفر النحاسؒ المتوفی ۳۳۸ھ فرماتے ہیں کہ "ومن روی عنه اثنان فلیس بمجهول" (اور جس سے دو لوگ روایت کریں وہ مجہول نہیں ہوتا)۔ (کتاب الناسخ والمنسوخ جلد: ۱ صفحہ: ۱۷۱)

۳: امام حاکمؒ المتوفی ۴۰۵ھ ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "فاما موثر فلیس بمجهول قد روی عن عبدالله بن مسعود والبراء بن عازب وروی عنه جماعة من التابعین" جہاں موثرؒ کی بات ہے تو وہ مجہول نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے ابن مسعود اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ (المستدرک للحاکمؒ جلد: ۲ صفحہ: ۳۶۶؛ حدیث: ۳۴۴۸)

معلوم ہوا کہ ان محدثین کے نزدیک جب کسی راوی سے دو لوگ روایت کریں تو وہ مجہول نہیں رہتا۔

۴: امام محمد بن یحیی الذہلیؒ المتوفی ۲۵۸ھ فرماتے ہیں کہ "قال محمد بن یحیی الذهلی ﷺ لیس بمجهول قد روی عنه الشعبی ایضا" یہ وہب بن الاجدع مجہول نہیں ہیں ان سے شعبیؒ نے بھی روایت کیا ہے (فتح الباری لابن رجبؒ: جلد: ۵ صفحہ ۴۹)

امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ قرأت بخط الذهبی فی میزانه لیس لیس بمجهول فقد روی عنه اربعة میں نے ذہبی کی عبارت میزان میں پڑھی کہ---

۵: امام ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں کہ اسامہ بن حفص المدنی مجہول نہیں اس لئے کہ ان سے چار لوگوں نے روایت کیا ہے۔ (ھدی الساری مقدمہ فتح الباری جلد: ۱ صفحہ: ۳۸۹؛ میزان الاعتدال جلد: ۱ صفحہ: ۱۷۴)

نوٹ:

۶: ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ نے دلیل کے طور پر امام ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ کا یہ قول نقل فرمایا ہے، اور زبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق ابن حجرؒ نے سکوت کے ذریعہ اس کی تائید کی ہے۔ **(انوار الطریق، از علی زئی: ص۸)** اسی طرح حافظؒ ایک ور مقام پر ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "قلت ولیس بمجهول فقد روی عنه هؤلاء ووثقه ابن حبان ﷺ" میں کہتا ہوں کہ زکریا بن الحکمؒ مجہول نہیں اس لئے کہ ان سب لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے اور ابن حبانؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ (لسان المیزان جلد: ۳ صفحہ: ۵۰۴)

وضاحت : ابن حبانؒ کا متساہل ہونا سب کو معلوم ہے لیکن پھر بھی ابن حجرؒ مجہول نہیں قرار دیا اور وجہ یہ بیان کی کہ ان سے چار لوگوں نے رویت کیا ہے۔معلوم ہوا کہ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی یہی قاعدہ ہے کہ جب کسی راوی سے دو یا دو سے زیادہ لوگ روایت کرتے ہیں تو وہ مجہول نہیں رہتا۔

۷:امام ماردینیؒ المتوفی ۷۵۰؁ھ فرماتے ہیں کہ " **قلت لیس بمجهول لان ابن ماجة اخرج له وروی عنه الوحاظی وبقية** " میں کہتاہوں کہ ابو بکر العنسیؒ مجہول نہیں ہیں اس لئے کہ ابن ماجہؒ نے ان کی تخریج کی ہے اور ان سے الوحظیؒ اور بقیہؒ نے روایت کیا ہے۔ (الجوہر النقی جلد :۲ صفحہ :۳۴۵)

۸:امام ابو عبداللہ بدرالدین الزرکشیؒ المتوفی ۷۹۴؁ھ کہتے ہیں کہ " **لیس بمجهول فقد روی عنه المصفی** " ابان بن حاتم مجہول نہیں ہیں اس لئے کہ ان سے محمد بن المصفیؒ نے رویت کیا ہے۔(النکت للزرکشی جلد :۳ صفحہ :۳۸۷)

۹:امام ذکی الدین عبد العزیز المنذریؒ المتوفی ۶۵۶؁ھ فرماتے ہیں کہ" **فقد روی عنه یونس ایضا کما ذکرنا وغیرهو لیس بمجهول** " ابوشدادؒ سے یونسؒ نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ ہم نے اس کے علاوہ ذکر کیا ہے اور مجہول نہیں ہیں۔(الترغیب والترہیب جلد؛ ۴ صفحہ ؛۲۹)

۱۰:امام جمال الدین مزیؒ المتوفی ۷۴۲؁ھ فرماتے ہیں کہ "**ان الجهنی معروف ولیس بمجهول قد روی عنه غیر واحد کما تقدم**"بے شک جہنی معروف ہیں مجہول نہیں ہیں ان سے ایک زیادہ لوگوں نے روایت کیا ہے جیسا کہ گذر چکا۔(تہذیب الکمال جلد :۲۷ ،صفحہ :۵۶)

۱۱:امام ابن ابی حاتمؒ المتوفی ۳۲۷؁ھ فرماتے ہیں کہ "**حدثنا عبد الرحمن قال سألت أبی عن روایة الثقات عن رجل غیر ثقة مما یقویه؟قال اذا کان معروفا بالضعف لم تقوه روایته عنه واذا کان مجهولا نفعه روایة الثقة عنه**" میں نے اپنے والد سے ثقہ راویوں کا غیر ثقہ سے روایت کرنے کے بارے میں سوال کیا کہ :کیا ثقات کا روایت کرنا اسے فائدہ دیگا امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ غیر ثقہ جب اپنے ضعف میں معروف ہو تو وہ اس کو فائدہ نہیں دیگا ،اور جب غیر ثقہ مجہول ہو تو ثقہ راویوں کا اس سے روایت کرنا اسے فائدہ دیگا۔(کتاب الجرح والتعدیل جلد ؛۲ صفحہ ؛ ۳۶)

۱۲:امام ابو بکر البزارؒ المتوفی ۲۹۲؁ھ فرماتے ہیں کہ "**من روی عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته وثبتت عدالته** " جس سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔(کتاب **الاشربه للبزار**ؒ،بہ حوالہ النکت للزرکشیؒ جلد ؛۳صفحہ ؛۳۷۸)

۱۳: امام دارقطنیؒ المتوفی ۳۸۵؁ھ بھی فرماتے ہیں کہ" **من روی عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته وثبتت عدالته** " جس سے دو ثقہ راوی روایت کریں اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔(سنن دار قطنی :کتاب الحدود والدیات بہ حوالہ النکت للزرکشی جلد ؛۳ ،صفحہ ؛ ۳۷۸ ،،فتح المغیث للسخاوی جلد ؛۲، صفحہ ؛۵۴ ولفظ لہ)

الغرض ان ساری تفصیلات سے معلوم ہوا کہ جس مجہول راوی سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں تو وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ مقبول ہو جاتا ہے۔

روایت نمبر ۳: (حسن بصریؒ کی روایت پر اعتراض کا جواب)

امام ابو داوٗدؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں:

حدثنا شجاع بن مخلد، حدثنا هشيم، أخبرنا يونس بن عبيد، عن الحسن أن عمر بن الخطاب ﷺ جمع الناس على أبي بن كعب فكان يصلي لهم عشرين ركعة۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رمضان میں نماز تراویح پڑھانے کے لئے حضرت اَبی بن کعبؓ کی امامت پر لوگوں کو جمع کیا تو اَبی بن کعبؓ ان کو بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ (سنن اَبو داؤد بحوالہ سیر اَعلام النبلاء: جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۴۰۱، ۴۰۰)

اس روایت کے رواۃ کی تفصیل یہ ہے:

۱: امام ابو داوٗدؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) مشہور، ثقہ، اور امام ہیں۔ (التقریب)

۲: شجاع بن مخلدؒ (المتوفی ۲۳۵ھ) صحیح مسلم کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں (اکمال تہذیب الکمال جلد ۶ صفحہ ۲۱۹)

۳: ہشیم بن بشیرؒ (المتوفی ۱۸۳ھ) صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں (التقریب: رقم: ۷۳۱۲)

۴: یونس بن عبیدؒ (المتوفی ۱۳۹ھ) صحیحین کے راوی ہیں ثقہ، مضبوط، فاضل اور تقوی والے ہیں۔ (التقریب: رقم نمبر ۷۹۰۹)

۵: امام حسن البصریؒ (المتوفی ۱۱۰ھ) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مرکزی راوی ہیں، ثقہ، فقیہ اور مشہور ہیں۔ (التقریب رقم نمبر: ۱۲۲۷) لہذا یہ سند صحیح ہے۔

اعتراض نمبر ۱: فرقہ اہل حدیث کے عالم کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس روایت میں بیس رات ذکر ہے کسی نے تحریف اسے بیس رکعت بنا دیا۔ (مسنون تراویح ص: ۹۶)

الجواب: احناف سے پہلے اس روایت کو

۱: امام ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے ۲۰ رکعت کے لفظ کے ساتھ نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

في سنن أبي داؤد يونس بن عبيد عن الحسن أن عمر بن الخطاب ﷺ جمع الناس على أبي بن كعب في قيام رمضان فكان يصلي بهم عشرين ركعة۔ (سیر اَعلام النبلاء للذہبی جلد: ۱ صفحہ: ۴۰۱)

اسکین:

عليه أيضاً، وكان عمر يُجِلُّ أُبيًّا، ويتأدبُ معه، ويتحاكم إليه.

قال محمد بن عمر الواقدي: تدل أحاديث على وفاة أُبيٍّ بن كعب في خلافة عمر. ورأيت أهله وغيرهم يقولون: مات في سنة اثنتين وعشرين بالمدينة، وأن عمر قال: اليومَ ماتَ سيِّدُ المسلمين.

قال: وقد سمعنا من يقول: مات في خلافة عثمان سنة ثلاثين. قال: وهو أثبتُ الأقاويلِ عندنا، وذلك أن عثمان أمره أن يجمعَ القرآن.

وقال محمد بن سعد: حدثنا عارم، حدثنا حمَّاد، عن أيوب، عن ابن سيرين أن عثمان جمع اثني عشر رجلاً مِن قريش والأنصار فيهم أُبيُّ بن كعب، وزيدُ بن ثابت في جمع القرآن(١).

قلت: هذا إسناد قوي، لكنه مرسل. وما أحسب أن عثمان ندب للمصحف أُبيًّا، ولو كان كذلك، لاشتهر، ولكان الذكر لأُبيٍّ لا لزيد، والظاهر وفاة أُبيٍّ في زمن عمر حتى إن الهيثم بن عدي وغيره ذكرا موته سنة تسع عشرة.

وقال محمد بن عبد الله بن نُمير، وأبو عُبيد، وأبو عمر الضرير: مات سنة اثنتين وعشرين، فالنفسُ إلى هذا أميل، وأما خليفةُ بن خياط، وأبو حفص الفلّاس فقالا: مات في خلافة عثمان. وقال خليفة مرة: مات سنة اثنتين وثلاثين.

وفي سنن أبي داود: يونس بن عبيد، عن الحسن أن عمر بن الخطاب جمع الناسَ على أُبيِّ بن كعب في قيام رمضان، فكان يُصلّي بهم عشرين

(١) أخرجه الفسوي ٢/٤٨٧ في «المعرفة والتاريخ».

٤٠٠

ركعة(١).

اگر امام ذہبیؒ ابو داؤد کی روایت میں بیس رکعت تراویح نقل کریں تو فرقہ اہل حدیث کے ابو زید ضمیر اپنے آڈیو بیان میں اسے غلطی کہتے ہیں[22] لیکن جب یہی روایت احناف بیان کریں تو فرقہ اہل حدیث کے کفایت اللہ صاحب اسے تحریف کہتے ہیں۔ (مسنون رکعات تراویح : ص۹۶)

یہ دوغلی پالیسی کیوں؟

کیا یہ فرقہ اہل حدیث کی احناف سے کھلی دشمنی اور بغض کا ثبوت نہیں ہے؟

۲: امام موفق الدین بن قدامہ حنبلی (المتوفی ۶۲۰ھ) نے بھی اس روایت کو بیس رکعت کے لفظ کے ساتھ نقل کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔۔۔۔ وقد روی الحسن أن عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس علی أبی بن کعب فکان یصلی لھم عشرین رکعة۔ (المغنی جلد: ۲ صفحہ: ۵۸۰)

اسکین:

المغنی

لموفق الدین أبی محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة
المقدسی الجماعیلی الدمشقی الصالحی الحنبلی
۵۴۱-۶۲۰ ھ

تحقیق

الدکتور عبد الله بن عبد المحسن الترکی
الدکتور عبد الفتاح محمد الحلو

الجزء الثانی

دار عالم الکتب
للطباعة والنشر والتوزیع
الریاض

كان رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوتِرُ ؟ قالت : كان يُوتِرُ بأَرْبَعٍ وثَلَاثٍ وستٍّ وثَلَاثٍ ، وثَمانٍ وثَلَاثٍ ، وعَشْرٍ وثَلَاثٍ ، ولم يكنْ يُوتِرُ بأَقَلَّ من سَبْعٍ ، ولا بأَكْثَرَ من ثَلَاثَ عَشْرَةَ . رَوَاهُ أبو دَاوُدَ(۹) .

۲۴۵ ـ / مسألة ؛ قال : (يَقْنُتُ فِيهَا) ۲/۱۰۷و

يَعْنِى أنَّ القُنُوتَ مَسْنُونٌ فى الوِتْرِ ، فى الرَّكْعَةِ الوَاحِدَةِ ، فى جَمِيعِ السَّنَةِ . هذا المَنْصُوصُ عندَ أصْحَابِنا ، وهذا قولُ ابنِ مسعودٍ ، وإبراهِيمَ ، وإسْحاقَ ، وأصْحابِ الرَّأْىِ . ورُوِىَ ذلك عن الحسنِ . وعن أحمدَ رِوَايَةٌ أُخْرَى ، أنَّه لا يَقْنُتُ إلَّا فى النِّصْفِ الأخِيرِ من رمضانَ . ورُوِىَ ذلك عن علىٍّ وأُبَىٍّ . وبه قال ابنُ سِيرِينَ ، وسعيدُ بن أبى الحسنِ(۱) ، والزُّهْرِىُّ ، ويحيى بن وَثَّابٍ(۲) ، ومالِكٌ والشَّافِعِىُّ . واخْتارَه أبو بكرٍ الأَثْرَمُ ؛ لما رُوِىَ عن الحسنِ ، أن عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ على أُبَىِّ بن كَعْبٍ ، فكان يُصَلِّى لهم عِشْرِينَ لَيْلَةً(۳) ، ولا يَقْنُتُ إلَّا فى النِّصْفِ الباقِى(۴) . رَوَاهُ أبو دَاوُدَ(۵) ، وهذا كالإجْمَاعِ . وقال قَتَادَةُ : يَقْنُتُ فى السَّنَةِ

= الوتر بخمس ، وباب كيف الوتر بسبع ، وباب كيف الوتر بتسع ، من كتاب قيام الليل . المجتبى ۳ / ۱۹۸ ، ۲۰۰ . وأخرج الترمذى حديث أم سلمة فى أن رسول الله ﷺ كان يوتر بسبع ، ثم قال : وفى الباب عن عائشة . انظر : باب ما جاء فى الوتر بسبع ، من أبواب الوتر . عارضة الأحوذى ۲ / ۲۴۵ . وأخرج ابن ماجه حديث عائشة فى أن رسول الله ﷺ كان يوتر بتسع وبسبع ، وحديث أم سلمة فى أنه كان يوتر بسبع أو بخمس ، فى : باب ما جاء فى الوتر بثلاث وخمس وسبع وتسع ، من كتاب إقامة الصلاة . سنن ابن ماجه ۱ / ۳۷۶ . وأخرج الإمام أحمد حديث عائشة فى الوتر بتسع وبسبع ، فى : المسند ۶ / ۲۲۷ ، وحديث أم سلمة ، فى الوتر بخمس ، فى : المسند ۶ / ۲۹۰ ، ۳۱۰ ، ۳۲۱ .

(۹) فى : باب فى صلاة الليل ، من كتاب التطوع . سنن أبى داود ۱ / ۳۱۳ . كما أخرجه الإمام أحمد ، فى : المسند ۶ / ۱۴۹ .

(۱) سعيد بن أبى الحسن ، واسمه يسار ، الأنصارى مولاهم ، البصرى ، تابعى ثقة ، توفى سنة مائة . تهذيب التهذيب ۴ / ۱۶ .

(۲) فى ا ، م : « ثابت » خطأ .

(۳) فى الأصل : « ركعة » .

(۴) فى ا ، م : « الثانى » .

(۵) فى : باب القنوت فى الوتر ، من كتاب الوتر . سنن أبى داود ۱ / ۳۳۱ .

۵۸۰

۳: امام ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) بیس راتوں کے بجائے بیس رکعت نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

أن عمر جمع الناس علی أبی فکان یصلی بھم عشرین رکعة الحدیث۔ و رواہ أبو داؤد (جامع المسانید والسنن لابن کثیر صفحہ ۸۶: جلد: ۱)

۴: امام شمس الدین بن قدامہؒ (المتوفی ۶۸۲ھ) نے بھی بیس رکعت کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت نقل فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

[22] Taraweeh ki Rakaat - Ek Tahqeeq - Part 4 of 5 | Abu Zaid Zameer (Timing 21 Min : 17 Sec) https://youtu.be/pwytc3a5JJ0?t=21m17s

لما روی أن عمر جمع الناس علی أبی بن کعب فکان یصلی بھم **عشرین رکعة** و لا یقنت الا فی النصف الثانی، رواہ أبو داؤد۔ (الشرح الکبیر لابن قدامہ جلد: ۴ صفحہ: ۱۲۵)

اسکین:

المُقنِع

لموفّق الدين أبي محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قُدامة المقدسيّ

٥٤١ - ٦٢٠هـ

و :

الشَّرحُ الكبيرُ

لشمس الدين أبي الفرج عبد الرحمن بن محمد بن أحمد بن قدامة المقدسيّ

٥٩٧ - ٦٨٢هـ

ومعهما :

الإنصاف

في معرفة الراجح من الخلاف

لعلاء الدين أبي الحسن علي بن سليمان بن أحمد المَرْداوِيّ

٨١٧ - ٨٨٥هـ

تحقيق

الدكتور عبد الله بن عبد المحسن التركي

الجزء الرابع

الصلاة

هجر

المقنع ....

الشرح الكبير

واخْتارَه الأَثْرَمُ ؛ لِما رُوِيَ أنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ على أُبَيِّ بنِ كَعْبٍ ، فكان يُصَلِّي بهم عِشْرِينَ[1] ، ولا يَقْنُتُ إلَّا في النِّصْفِ الباقِي[2] . رَواه أبو داوُدَ[3] . وهذا كالإِجْماعِ . وقال قَتادَةُ : يَقْنُتُ في السَّنَةِ كلِّها إلَّا في النِّصْفِ الأوَّلِ مِن رمضانَ ؛ لهذا الخَبَرِ . والرِّوايَةُ الأُولَى هي المَشْهُورَةُ . قال أحمدُ ، في رِوايَةِ المَرُّوذِيِّ : كُنْتُ أَذْهَبُ إلى أنّه في النِّصْفِ مِن شَهْرِ رمضانَ ، ثم إنِّي قَنَتُّ[4] ، هو دُعاءٌ وخَيْرٌ . وذلك لِما رَوَى أُبَيٌّ ، أنَّ رسولَ اللهِ ﷺ كان يُوتِرُ ، فيَقْنُتُ قبلَ الرُّكُوعِ[5] . وحَدِيثُ عليٍّ ، أنَّ النبيَّ ﷺ كان يقولُ في آخِرِ وِتْرِه : « اللَّهُمَّ إنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ » . الحديثُ[6] . وكان للدَّوامِ ، وفِعْلُ أُبَيٍّ يَدُلُّ على أنّه رَأْيُه[7] . ونحن لا نُنْكِرُ الاخْتِلافَ في هذا ، ولأنّه وِتْرٌ ، فيُشْرَعُ فيه القُنُوتُ ، كالنِّصْفِ الأخِيرِ .

الإنصاف

جميعَ الشَّهْرِ ، أو نِصْفَه الأخيرَ ، أو لم يَقْنُتْ بحالٍ ، فقد أحسَنَ .

قوله : بعدَ الرُّكُوعِ . يعْنِي ، على سَبِيلِ الاسْتِحْبابِ ، فلو كبَّر ورفَع يدَيْه ، ثم قنَت قبل الرُّكوعِ ، جازَ ، ولم يُسَنَّ . على الصَّحيحِ مِنَ المذهبِ ، وعليه أكثرُ الأصحابِ ، وقطَع به كثيرٌ منهم . وعنه ، يُسَنُّ ذلك . وقيل : لا يجوزُ ذلك . قدَّمه

(١) في الأصل : « عشرين ركعة » . وفي أبي داود : « عشرين ليلة » .
(٢) في م : « الثاني » .
(٣) في : باب القنوت في الوتر ، من كتاب الوتر . سنن أبي داود ١ / ٣٣١ .
(٤) في تش : « قلت » .
(٥) أخرجه ابن ماجه ، في : باب ما جاء في القنوت قبل الركوع وبعده ، من كتاب إقامة الصلاة . سنن ابن ماجه ١ / ٣٧٤ .
(٦) في : باب ما جاء في فضل الوتر وحكمه ... منحة المعبود في ترتيب مسند الطيالسي ١/١١٨ .
(٧) في م : « رآه » .

١٢٥

۵: امام احمد بن فرح اللخمی الشافعی (المتوفی ۶۹۹ھ) بھی اس روایت کو بیس رکعت کے لفظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

دلیلنا ماروی أبو داؤد عن الحسن أن عمر جمع الناس علی أبی و کان یصلی لھم عشرین رکعة و لا یقنت بھم الا فی النصف الثانی۔ (مختصر خلافیات البیہقی لاحمد بن فرح جلد: ۲ صفحہ: ۲۷۷) **اسکین ملاحظہ فرمائے**

لأحمد بن فرح اللخمي الإشبيلي الشافعي

المتوفى سنة ٦٩٩هـ

تحقيق ودراسة

الدكتور ذياب عبد الكريم ذياب عقل

الجزء الثاني

مكتبة الرشد
الرياض

شركة الرياض
للنشر والتوزيع

مسألة (١٤١):

ويقنت في الوتر من طريق السنة في النصف الأخير من شهر رمضان[1]، قال أبو حنيفة: في جميع السنة[2] ودليلنا: ما روى أبو داود عن الحسن أن عمر جمع الناس على أبي وكان يصلي لهم عشرين ركعة، ولا يقنت بهم إلا في النصف الثاني[3] فإذا كان العشر الأواخر تخلف فصلى في بيته وكانوا يقولون: أبق أبي[4] وروى أبو داود أيضاً عن محمد عن بعض أصحابه أن أبي بن كعب رضي الله عنه أمهم يعني في رمضان فكان يقنت في النصف الآخر من رمضان[5] وروى الحارث عن علي رضي الله عنه: أنه كان يقنت في النصف الأخير من رمضان[6]، وروي عن قتادة عن الحسن قال: أمنا علي بن أبي طالب رضي الله عنه في زمن عثمان رضي الله عنه عشرين ليلة ثم احتبس فقال بعضهم قد تفرغ لنفسه، ثم أمهم أبو حليمة معاذ القارى[7] فكان

(١) مغني المحتاج (١/ ٢٢٢) المجموع (٣/ ٥٢٠) روضة الطالبين (١/ ٣٣٠).
(٢) الهداية (١/ ٦٥ ـ ٦٦) وشرح فتح القدير (١/ ٤٢٠) الاختيار (١/ ٥٤) ونصب الراية (٢/ ١٢٢) وما بعدها.
(٣) في أ، ب: الباقي: وهو الصواب كما هو في نص أبي داود.
(٤) أخرجه أبو داود (١٤٢٩) الصلاة ـ باب القنوت من الوتر.
قال الزيلعي في نصب الراية (٢/ ١٢٦) وهذا منقطع فإن الحسن لم يدرك عمر، ثم هو فعل صحابي.
(٥) أخرجه أبو داود (١٤٢٨) في الموضع السابق.
وقال الزيلعي في الموضع السابق: فيه مجهول، ونقل عن النووي في «الخلاصة» قوله: الطريقان ضعيفان، قال أبو داود وهذان الحديثان يدلان على ضعف حديث أبي بن كعب أن النبي قنت في الوتر ا.هـ.
(٦) السنن الكبرى (٢/ ٤٩٨). الصلاة: باب من قال لا يقنت في الوتر إلا في النصف الأخير من رمضان.
(٧) معاذ بن الحارث الأنصاري، النجاري القارىء، قيل هو أبو حليمة، أحد من أقامه عمر بمصلى التراويح، ويقال هو آخر، يكنى أبا الحارث، صحابي صغير، استشهد بالحرة سنة (٦٢ هـ)/ د الإصابة (٣/ ١/ ٤٢٧) والتقريب (٢/ ٤٥٦).

٢٧٧

۶: امام محمد بن موسیٰ الدمیریؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) بھی ابو داؤد کی اس روایت کو بیس رکعت کے لفظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

لما روی الحسن البصری أن عمر جمع الناس علی أبی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ (النجم الوہاج جلد:۲ صفحہ:۲۹۸)

اسکین:

في شرح المنهاج

للإمام العلامة المتقن المحدث الفقيه اللغوي

كمال الدين أبي البقاء محمد بن موسى بن عيسى الدميري

رحمه الله تعالى

(٧٤٢ - ٨٠٨هـ)

المجلد الثاني

الصلاة - صلاة الجماعة

دار المنهاج

وَيُنْدَبُ ٱلْقُنُوتُ آخِرَ وِتْرِهِ فِي ٱلنِّصْفِ ٱلثَّانِي مِنْ رَمَضَانَ ، وَقِيلَ : كُلَّ ٱلسَّنَةِ . . .

ويستحب أن يقول بعد الوتر : « سبحان الملك القدوس » ثلاثاً ؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول ذلك ، رواه أبو داوود [١٤٢٥] بإسناد صحيح ، وفي رواية أحمد [٤٠٦/٣] والنسائي [٢٤٥/٣] : (كان يمد صوته بالثالثة) .

ويستحب أن يقول بعده أيضاً : « اللّهم ؛ إني أعوذ برضاك من سخطك ، وبمعافاتك من عقوبتك ، وبك منك ، لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت علىٰ نفسك » ، ففي « سنن أبي داوود » [١٤٢٢] و« الترمذي » [٣٥٦٦] و« النسائي » [٢٤٩/٣] أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقوله في آخر وتره .

قال : (**ويندب القنوت آخر وتره في النصف الثاني من رمضان**) ؛ لما روى الحسن البصري : أن عمر جمع الناس علىٰ أبي بن كعب ، فكان يصلي بهم عشرين ركعة ، ولا يقنت بهم إلا في النصف الثاني ، فإذا كانت العشر الأواخر . . تخلف فصلىٰ في بيته ، رواه أبو داوود [١٤٢٣] وهو منقطع ؛ لأن الحسن ولد لسنتين بقيتا من خلافة عمر .

واستدل له الشيخ في « المهذب » بأن عمر رضي الله عنه قال : (السنة إذا انتصف الشهر من رمضان أن يلعن الكفرة في الوتر بعدما يقول : سمع الله لمن حمده) ، قال الحافظ زكي الدين عبد العظيم : وهو صحيح رواه البخاري ومسلم؟![1]

ومراده : أن أصل الحديث في « الصحيحين » [خ ٤٥٦٠ـ م ٦٧٥] ، أما هـٰذه الزيادة التي هي من كلام عمر وهي المقصودة هنا . . فليست فيهما .

قال : (**وقيل : كل السنة**) ؛ لظاهر خبر أُبيٍّ . وهو قول أربعة من أصحابنا : الزبيري وأبو الوليد النيسابوري وابن عبدان وأبو منصور بن مهران ، واختاره الروياني وذكر : أنه اختيار مشايخ طبرستان ، وقال أبو حاتم القزويني : إن عليه إجماع العامة[2] وبه الفتوىٰ .

واختاره المصنف في « التحقيق » ؛ لحديث الحسن بن علي قال : (علمني

(١) قال ابن حجر في «التلخيص» (٢/ ٢٤): رويناه في فوائد أبي الحسن بن رزقويه . . . ثم قال : إسناده حسن .

(٢) في (ز) : (الأمة) .

٢٩٨

۷: امام ماوردیؒ (المتوفی ۴۵۰ھ) نے بھی اس روایت کو بیس رکعت کے لفظ کے ساتھ نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

دلیلنا روایۃ یونس بن عبید عن الحسن البصری أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی أبی وقال: صل بھم عشرین رکعۃ ولا تقنت بھم الا فی النصف الأخیر۔ (الحاوی الکبیر جلد:۲ صفحہ:۲۹۲) **اسکین ملاحظہ فرمائے**

في فقه مذهب الإمام الشافعي رضي الله عنه وهو شرح مختصر المزني

تصنيف

أبي الحسن علي بن محمد بن حبيب الماوردي البصري

تحقيق وتعليق

الشيخ علي محمد معوض — الشيخ عادل أحمد عبد الموجود

قدم له وقرظه

الأستاذ الدكتور محمد بكر اسماعيل أستاذ بجامعة الأزهر — الأستاذ الدكتور عبد الفتاح أبو سنة جامعة الأزهر

الجزء الثاني

دار الكتب العلمية

بيروت - لبنان

٢٩٢ ـــــــ كتاب الصلاة/ باب صلاة التطوع وقيام شهر رمضان

وأما القنوت في صلاة الصبح فقد ذكرنا أنه سنة في جميع الدهر ودللنا عليه.

فأما القنوت في الوتر فغير سنة في شيء من السنة إلى في النصف الأخير من شهر رمضان.

وقال أبو حنيفة: القنوت سنة في الوتر في جميع السنة تعلقاً برواية أبيّ بن كعب أن النبي ﷺ كان يقنت في الوتر.

ودليلنا رواية يونس بن عبيد عن الحسن البصري أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه جمع الناس على أبيّ وقال: صل بهم عشرين ركعة، ولا تقنت بهم إلا في النصف الأخير، فصلى بهم في العشر الأول والعشر الثاني؛ وتخلف في منزله في العشر الثالث فقالوا ابق أبيّ وقدموا معاذاً فصلى بهم بقية الشهر وقنت في العشر الأواخر. فدل ذلك من فعلهم على أن القنوت سنة في النصف الأخير من شهر رمضان لا غير.

فأما روايتهم عن أبيّ ان رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَنَتَ فِي الوِتْرِ فَلَيْسَ بِثَابِتٍ لأن أبيًا لم يكن يقنت إلا في النصف الأخير من رمضان.

قال المزني: سألنا الشافعي أكان رسول الله ﷺ يقنت في الوتر فقال: لا يحفظ عنه قط، وحسبك بالشافعي يقول هذا على أنه إن كان روي فيجوز أن يكون في مدة الشهر حين كان يقنت في سائر الصلوات ثم ترك.

مسألة: **قَالَ الشَّافِعِيُّ** رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «وَآخِرُ اللَّيْلِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَوَّلِهِ وَإِنْ جَزَّأَ اللَّيْلَ أَثْلَاثًا فَالْأَوْسَطُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقُومَهُ».

قال الماوردي: وهذا صحيح إذا أحب المصلي أن يجزىء ليله جزأين أحدهما: لنومه أو لشغله والآخر لصلاته، فالجزء الأخير أحبّ إلينا أن يجعله لصلاته لقوله سبحانه: ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ [آل عمران: ١٧]؛ ولما روي عن ابن عباس قال بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَجَاءَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ فَنَامَ بَعْدَ العِشَاءِ إِلَى أَن انْتَصَفَ اللَّيْلُ وَقَامَ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ إِلَى أَنْ جَاءَ بِلَالٌ، ولأنه إذا قدم نومه كان ذلك أسكن لجسده، وأخلى لقلبه، وأنقى لروعه، وأمكن له في عادته وأما إن اختار أن يجزىء ليله أثلاثاً فيجعل ثلثاً لنومه وثلثاً لصلاته وثلثاً لنظره في أمره فالثلث الأوسط أحب إلينا أن يجعله لصلاته لقوله سبحانه: ﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا﴾ [المزمل: ٦] يعني: ناشئة ما تنشأ في أثناء الليل حالاً بعد حال.

وروي عن النبي ﷺ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ أَفْضَلِ الأَعْمَالِ فَقَالَ ٱلصَّلَاةُ فِي اللَّيْلِ البَهِيمِ يعني: الأسود.

وروي عن النبي ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «أَفْضَلُ الصَّوْمِ صَوْمُ أَخِي دَاوُدَ كَانَ يَصُومُ يَوْماً، وَيُفْطِرُ

نوٹ:۱ امام ابوداؤدؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) اور امام ماوردیؒ (المتوفی ۴۵۰ھ) کے درمیان صرف ۱۷۵ سال کا فرق ہے۔

نوٹ:۲ یہ سارے فقہاء اور محدثین شافعی اور حنبلی مسلک کے ہیں۔ہماری غیر مقلدین اہلحدیث سے عموماً کفایت اللہ صاحب سے خصوصاً گزارش ہے کہ کیا ان سب فقہاء و محدثین نے تحریف کی ہے؟

اعتراض:۲ کفایت اللہ صاحب نے مزید کہا ہے کہ بہر حال یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ حسن بصری کی ملاقات عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے،

الجواب: امام ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) ابوداود کی اس روایت کی سند بیان فرماتے ہیں کہ:

إن عمر جمع الناس على أبي فكان يصلي بهم عشرين ركعة الحديث ورواه أبو داؤد عن شجاع بن مخلد عن هشيم عن يونس بن عبيد عن الحسن عن أبي۔ (جامع المسانید والسنن لابن کثیر جلد:۱صفحہ:۸۶)

اسکین:

جامع المسانيد والسنن
الهادي لأقوم سنن
للإمام الحافظ عماد الدين إسماعيل بن عمر
ابن كثير الدمشقي
رحمه الله ٧٠١ - ٧٧٤هـ
الجزء الأول
دراسة وتحقيق
د/ عبد الملك بن عبد الله بن دهيش
الرئيس العام لتعليم البنات سابقاً - المملكة العربية السعودية

٨٦ الجزء الأول

الله . تركتَ آية كذا وكذا . فقال النبي ﷺ : [قد علمت] (١) إن كان أحدٌ أخذها عليَّ فإنَّك أنت هو (٢) ». تفرّدَ به الحسن عن أبي.

٢٩ – حدثنا [عبد الله حدثنا أبي حدثنا] (٣) هشيم ، أخبرنا يُونس ، عن الحسن : «أن عمر أراد [أن] ينهى عن مُتعَةِ الحج ، فقال له أُبيّ : ليس لك ذاك (٤) ، قد تمتّعْنا مع رسول الله ﷺ ، وَلَمْ يَنْهنا عن ذلك ، فأضربَ [عن ذلك] عُمَرُ ، وأراد أن ينهى عن حُلَلِ الحِبَرةِ (٥) لأنَّها تُصبغ بالبَول . فقال له أبي : ليس لك قد لَبِسهُنَّ النبي ﷺ ، ولبسناهُنَّ في عهده » (٦) تفرد به .

(حديث آخر)

٣٠ – أن سَمُرَة ، وعمران بن حصين تذاكرا ، والحديث في ترجمة قتادة عن الحسن عن سَمُرةَ ، وفي ترجمة يونس عن الحسن عن سَمُرَة (٧) .

(حديث آخر)

٣١ – «أنَّ عمر جمع النَّاس على أبي ، فكان يصلي بهم عشرين ركعة» الحديث ورواه أبو داود عن شجاع بن مخلد عن هُشَيم عن يونس بن عُبيدٍ عن الحسن عن أبي (٨) .

(١) ما بين المعكوفين سقط من المخطوط ، وأثبتناه من مسند أحمد .
(٢) الحديث أخرجه أحمد في المسند ٥/١٤٢ من حديث المشايخ عن أبيّ ، ورواه أبو يعلى والضياء في المختارة . الجامع الكبير ٢/٢٣١ .
(٣) ما بين المعكوفين سقط من الناسخ ، وكذلك ما يماثله بعد .
(٤) في المخطوطة : « ذلك » والالتزام بالنص أولى .
(٥) حبرة : على وزن عنبة . برد يماني . النهاية ١/٣٢٨ .
(٦) من حديث المشايخ عن أبيّ في مسند أحمد ٥/١٤٣ .
(٧) الحديث أخرجه أبو داود وابن ماجه في باب السكتة عند الاستفتاح . قال سمرة : « حفظت سكتتين في الصلاة : سكتة إذا كبر الإمام حتى يقرأ ، وسكتة إذا فرغ من فاتحة الكتاب وسورة عند الركوع وقال : فأنكر ذلك عليه عمران بن حصين .
قال : فكتبوا في ذلك إلى المدينة ، إلى أبيّ ، فصدق سمرة » . مختصر السنن ١/٣٧٦ سنن ابن ماجه ١/٢٧٥
(٨) الحديث أخرجه أبو داود « في القنوت في الوتر » ولفظه : « فكان يصلي بهم عشرين ليلة ، ولا يقنت بهم إلا في النصف الباقي » . =
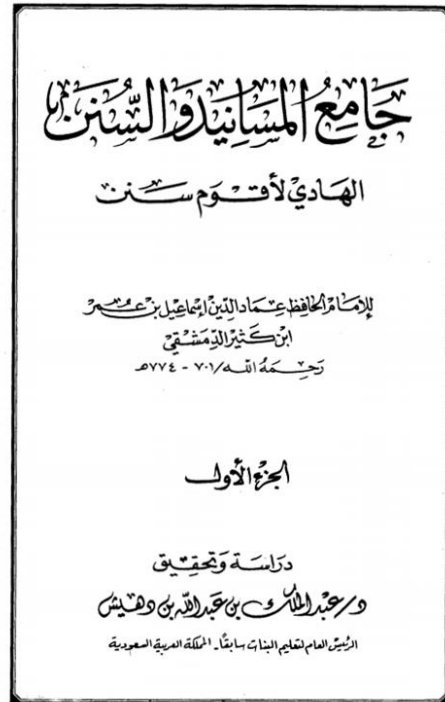
معلوم ہوا کہ یہ روایت حسن بصریؒ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

تنبیہ: کچھ محدثین کہتے ہیں کہ حسن بصریؒ کا سماع اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے لہذا یہ روایت مرسل ہے، لیکن ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی مراسیل کو صحیح قرار دیا ہے اور اسے قبول کیا ہے۔مگر ملاحظہ فرمائیں ان کے بارے میں بڑے بڑے ائمہ اور" امیر المومنین فی الحدیث" کیا کہتے ہیں:

(۱) علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں:

حسن بصریؒ کی مرسل حدیثیں ، جنہیں ثقہ راویوں نے ان سے روایت کیا ہے ، وہ صحیح ہیں ، ان میں سے بہت کم ساقط ہیں۔ (التاریخ وأسماء المحدثین وکناہم للمقدمی /۲۰۱)

(۲) ابو زرعہ رازیؒ کہتے ہیں :

ہر حدیث جسے حسن بصریؒ نے (مرسلاً) روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔تو میں نے پایا کی اس حدیث کی اصل ہے اور وہ حدیث ثابت ہے ، سوائے چار حدیثوں کے۔(کتاب الضعفاء لابی زرعہ ۳/۸۵۷)

(۳) یحیی بن سعید القطانؒ کہتے ہیں کہ :

حسن بصریؒ کی مرسل حدیثوں کی اصل موجود ہے ، سوائے ایک دو حدیثوں کے ، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی مرسل حدیثیں اچھی ہیں۔(العلل الصغیر للترمذی /۷۵۴) (شرح علل الترمذی لابن رجب ۱/۵۳۶)

(۴) امام زرکشیؒ کہتے ہیں کہ :

امام الحرمین نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا : حسن بصریؒ کی مرسل حدیثیں ان کے نزدیک اچھی ہیں۔ابن رفعہؒ نے یہ بات نقل کرکے کہا ہے کہ اسی وجہ سے امام شافعیؒ اپنی کتاب الام میں حسن بصریؒ کی مرسل حدیثوں سے حجت پکڑتے ہیں۔(النکت علی ابن الصلاح للزرکشی ۱/۴۸۹) اس سے معلوم ہوا کہ حسن بصریؒ کی مرسل حدیثیں امام شافعیؒ کے نزدیک حجت ہیں۔

(۵) حافظ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ :

(ابن الجوزیؒ نے)حضرت حسن بصریؒ کی مرسل حدیثوں کو موضوعات میں شمار کیا تو ابن حجرؒ نے ان پر رد کیا کہ ابن المدینیؒ نے حسن بصریؒ کی مرسل حدیثوں کی تعریف کی ہے۔(الدرر المنثورۃ /۱۰۵) علامہ سیوطیؒ دوسری جگہ کہتے ہیں : شیخ الاسلام ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن بصریؒ تک حسن ہے اور ان کی مرسل حدیثوں کی ابو زرعہ اور ابن المدینیؒ نے تعریف کی ہے ، اس لئے اس کو موضوع کہنے کی کوئی دلیل نہیں۔(تدریب الراوی ۱/۳۳۹)،اس سے معلوم ہوا کہ حسن بصریؒ کی مرسل حدیثیں ابن حجرؒ کے نزدیک حجت ہیں۔

(۶) امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ :

حسن بصریؒ کی یہ مرسل حدیث صحیح ہے کہ صہیبؓ، روم میں(سب سے)پہلے(اسلام لانے والوں میں سے) ہیں۔(تاریخ الاسلام ۲/۳۳۸)،معلوم ہوا امام ذہبیؒ کے نزدیک حسن بصریؒ کی مرسل حدیثیں صحیح ہیں۔

(۷) امام نوویؒ کہتے ہیں کہ :

ابن المدینی اور ابو زرعہ رازیؒ نے حسن بصریؒ کی مرسل حدیثوں کی تعریف کی ہے ، اور اسے رد نہیں کیا ہے۔(تہذیب الاسماء واللغات ۱/۱۶۲)اورزبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق امام نوویؒ نے سکوت کے ذریعہ اس کی تائید کی ہے۔ (انوار الطریق،ازعلی زئی: ص۸)

(۸)امام یحیی بن معینؒ فرماتے ہیں : حسن البصری کی مراسیل میں کوئی حرج نہیں ہے۔(موسوعۃأقوال یحیی بن معین : ج۱ : ص ۴۴۵) لہذا اسے مرسل قرار دے کر ضعیف کہنا مردود ہے۔

نیز حضرت حسنؒ نے حضرت اُبی بن کعبؓ سے تمام حدیثیں حضرت عُتَیِّ بن ضمرةؒ کے واسطہ سے روایت کی ہیں۔ اس وجہ سے ابن ابی خیثمہؒ جو یحیی بن معینؒ کے شاگرد ہیں ، وہ کہتے ہیں کہ :

اگر حسن بصریؒ حضرت اُبی سے روایت کریں ، تو وہ عُتَیِّ بن ضمرة السعدی کے واسطے سے ہوگی۔(جامع التحصیل فی احکام المراسیل ۱۶۵/۱۳۵، تحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل /۷۵) یہی بات حافظ بوصیریؒ نے بھی کہی ہے : (مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ ۲/۵۸/۵۹۹) **لہذا حضرت حسنؒ جو حدیث حضرت اُبی سے روایت کریں ، اس کو حضرت عتیؒ کے واسطہ سے متصل سمجھا جائے گا۔** الغرض معلوم ہوا کہ حسن بصریؒ کی اُبی بن کعبؓ سے یہ روایت مسند ہے، لہذا کفایت اللہ صاحب کا اعتراض باطل و مردود ہے۔

اعتراض نمبر ۳ : ممکن ہے کہ کفایت اللہ صاحب اپنے مسلک کے تعصب میں کہہ سکتے ہیں کہ اس روایت میں اُبی بن کعبؓ کا اضافہ تو ابن کثیر نے نقل کیا ہے وہ اَبو داوٗد کے اکثر نسخوں میں موجود نہیں ہے۔

الجواب: یہ ہے کہ خود کفایت اللہ صاحب زبیر علی زئی کو امام بخاری کی ایک جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ـــــ,, اگر کوئی یہ کہے کہ امام کثیرؒ کا قول امام بخاری کی تاریخ الاوسط میں ہے لیکن اصل کتاب میں والحدیث معلول (حدیث کے معلول ہونے) کے الفاظ نہیں ہیں تو عرض ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب ہوا کہ تاریخ الاوسط کے بعض نسخوں میں یہ عبارت ناقص ہے اور امام ابن کثیرؒ کے سامنے تاریخ الاوسط کا جو نسخہ تھا اس میں یہ عبارت مکمل تھی اور نسخوں میں اختلاف عام بات ہے۔ آج بھی مخطوطات کی تحقیق کے وقت کے دیگر نسخوں سے عبارت کو مکمل کیا جاتا ہے، بلکہ دیگر اہل علم کے منقولات سے بھی نسخوں کی ناقص عبارتیں درست کی جاتی ہیں۔

لہذا ابن کثیرؒ کے سامنے جو نسخہ تھا اس نسخے میں یہ قول مکمل تھا اور بعض دیگر نسخوں میں یہ قول ناقص ہے۔ لہذا تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ عبارت مکمل ہوگی اور حجت ہوگی۔ (حدیث یزید محدثین کی نظر میں ص:۲۸) **اسکین ملاحظہ فرمائے:**

حدیث یزید، محدثین کی نظر میں　　1

﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾

اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون

(۲۹/العنکبوت:۳)

زبیر علی زئی صاحب کی تہمت تراشیوں اور افتراپردازیوں کا جواب

حدیث یزید، محدثین کی نظر میں

امام ابن القیم رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱ھ) نے فرمایا:

"کل حدیث فیه ذم یزید فکذب"

"ہر وہ حدیث جس میں یزید کی مذمت ہے وہ جھوٹی ہے"

[المنار المنیف فی الصحیح و الضعیف :ص۷۹ بتحقیق علامہ المعلمی رحمہ اللہ]

ابو الفوزان کفایت اللہ سنابلی

حدیث یزید، محدثین کی نظر میں　　28

رہا یہ اشکال کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب سے "والحدیث معلول" کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کے موجودہ نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ تو اس کے جواب میں ہم نے اپنی تیسری تحریر میں لکھا تھا:

"اگر کوئی کہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا نقل کردہ قول امام بخاری رحمہ اللہ کی "التاریخ الأوسط" میں ہے، لیکن اصل کتاب میں "والحدیث معلول" کے الفاظ نہیں ہیں۔ تو عرض ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوا کہ "التاریخ الأوسط" کے بعض نسخوں میں یہ عبارت ناقص ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے تاریخ الاوسط کا جو نسخہ تھا، اس میں یہ عبارت مکمل تھی اور نسخوں کا اختلاف عام بات ہے۔ آج بھی مخطوطات کی تحقیق کے وقت کتاب کے دیگر نسخوں سے ناقص عبارت کو مکمل کیا جاتا ہے، بلکہ دیگر اہلِ علم کے منقولات سے بھی نسخوں کی ناقص عبارتیں درست کی جاتی ہے، لہذا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے جو نسخہ تھا، اس نسخے میں یہ قول مکمل تھا اور بعض دیگر نسخوں میں یہ قول ناقص ہے، لہذا تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ عبارت مکمل ہوگی اور حجت ہوگی۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ محترم زبیر علی زئی نے سُترہ سے متعلق مسند بزار کی ایک روایت کو حسن قرار دیا ہے، وہ روایت یہ ہے کہ امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی:۲۹۲ھ) نے کہا:

"حَدَّثنا بِشْر بن آدم، قَال: حَدَّثنا أَبُو عَاصِم، عَن ابن جُرَيج، قال: أَخْبَرنا عَبد الكريم، أَنَّ مجاهدًا أخبره، عَنِ ابْنِ عَبَّاس رضي الله عنهما قال: أتيتُ أنا والفضل علىٰ أتان، فمررنا بين يدي رسول الله ﷺ بعرفة، وهُو يصلي المكتوبة، لَيْسَ شَيْءٌ يَسْتُره، يحُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ"[1]

اس سند میں ایک راوی عبدالکریم ہے۔ یہ کون ہے؟ اس کا تعین ایک مشکل کام ہے، کیوں کہ اسی نام کا ایک اور ضعیف راوی ہے اور یہ بھی اتفاق سے مجاہد کا شاگرد اور

[1] مسند البزار (۲۰۱/۱۱) رقم الحدیث (۴۹۵۱)

تو فرقہ اہل حدیث سے عموماً اور کفایت اللہ صاحب سے خصوصاً گزرش ہے کہ اپنے ہی اصول اور اپنے ہی الفاظ میں اس اعتراض کا جواب سن لیں:

اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابن کثیرؒ کی حدیث امام أبوداؤدؒ کی سنن میں ہے لیکن اصل کتاب میں آبی بن کعبؓ کے الفاظ نہیں ہیں

تو عرض ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب ہوا کہ أبوداؤد کے بعض نسخوں میں یہ سند ناقص ہے اور امام ابن کثیر کے سامنے أبوداؤد کا جو نسخہ تھا اس میں یہ سند مکمل تھی اور نسخوں میں اختلاف عام بات ہے۔ آج بھی مخطوطات کی تحقیق کے وقت کے دیگر نسخوں سے ناقص عبارتوں کو مکمل کیا جاتا ہے، بلکہ دیگر اہل علم کے منقولات سے بھی نسخوں کی ناقص عبارتیں درست کی جاتی ہیں۔ لہذا ابن کثیرؒ کے سامنے ابوداؤد کا جو نسخہ تھا اس نسخے میں یہ سند مکمل تھی اور بعض دیگر نسخوں میں یہ سند ناقص ہے۔ لہذا تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ روایت مکمل ہوگی اور حجت ہوگی۔ امید کہ فرقہ اہل حدیث اور کفایت صاحب اس اعتراض سے باز رہیں گے۔

نیز اس روایت پر امام ابوداودؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) نے سکوت اختیار کیا ہے اور ان کا سکوت غیر مقلدین کے نزدیک روایت کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔[23] اسی طرح امام ماوردیؒ (المتوفی ۴۵۰ھ) اور امام احمد بن فرحؒ (المتوفی ۶۹۹ھ) نے اس روایت سے استدلال کیا ہے، دلیل پکڑی ہے جیسا کہ ان کے حوالہ جات گزر چکے۔ اور کسی فقیہ یا محدث کا کسی حدیث سے استدلال کرنا غیر مقلدین کے نزدیک روایت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، دیکھئے (فتاوی نذیریہ جلد:۳ صفحہ:۳۱۶)

---

[23] غیر مقلدین کے نزدیک امام ابو داؤدؒ (م ۲۷۵ھ) کا سکوت حجت ہے ، اور اسی طرح امام منذریؒ (م ۶۵۶ھ) کا سکوت بھی (ان کی مختصر اور ترغیب میں) ان کے نزدیک حجت ہے۔ حوالاجات ملاحظہ فرمائیے :

۱ - غیر مقلدین کے مجتہد قاضی شوکانیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ :

امام ابو داؤدؒ اور امام منذریؒ نے اس (روایت) پر سکوت اختیار کیا ، اور اس کی سند کے رجال امام ابوداؤدؒ کے نزدیک ثقہ ہیں۔
(نیل الاوطار ۱/۱۶۱ ، دوسرا نسخہ ۱/۴۶۶)

معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک امام ابوداؤدؒ نے جس روایت پر سکوت اختیار کر ، وہ روایت اہل حدیث حضرات کے نزدیک صحیح اور اس روایت کے تمام رجال بھی امام ابوداؤدؒ کے نزدیک ثقہ ہوتے ہیں۔

۲ - غیر مقلدین کے محقق العصر مولانا عبد القادر حصاریؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث پر انہوں نے (یعنی امام ابوداؤدؒ نے) سکوت کیا ہے تو یہ حدیث قابل استدلال بن جاتی ہے۔(فتاویٰ حصاریہ ۳/۱۴)

۳ - اسی طرح اہل حدیثوں کے ایک اور عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث پر امام ابوداؤدؒ نے سکوت کیا ، اسے درجہ قبولیت دیا گیا ہے۔(۲۲ نامور فقہاء و محدثین /۹۸)

۴ - مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ : اس حدیث پر امام ابوداؤدؒ اور امام منذریؒ نے (مختصر میں) سکوت کیا ہے ، اور اس کی سند حسن ہے۔(عون المعبود ۴/۹۱) جبکہ البانی نے اسی روایت کو ضعیف کہا ہے ، جس کو مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ نے امام ابوداؤدؒ اور امام منذریؒ وغیرہ کے قول سے حسن کہا ہے۔(ضعیف ابوداؤد /۹۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ کے نزدیک بھی امام ابوداؤدؒ اور امام منذریؒ کا سکوت روایت کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

لہذا غیر مقلدین کے اصول کے مطابق یہ حدیث امام ابو داؤدؒ، امام ماوردیؒ اور امام احمد بن فرحؒ کے نزدیک صحیح ہے۔

آخری اعتراض: غیر مقلدین یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس روایت میں حسن البصریؒ مدلس ہیں۔

الجواب – ۱ : حسن بصریؒ طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں۔(طبقات المدلسین صفحہ:۲۹) اور طبقہ ثانیہ کے بارے میں ائمہ نے وضاحت کی ہے کہ اس طبقہ کی تدلیس کو علماء نے برداشت کیا ہے یعنی قبول کیا ہے (طبقات المدلسین صفحہ:۱۳) لہذا ان کی تدلیس قابل قبول ہے۔

الجواب – ۲ : اس روایت کے چھ چھ متابعات موجود ہیں۔ لہذا اس روایت میں ان پر تدلیس کا الزام ہی مردود ہے۔ الغرض یہ روایت صحیح اور مسند ہے اور اس پر اعتراض کرنا باطل و مردود ہے۔

روایت نمبر ۴ : (مصنف عبد الرزاق کی حدیث پر اہل حدیثوں کے اشکال کا جواب)

امام عبد الرزاق الصنعانیؒ **(المتوفی ۲۱۱ھ)** فرماتے ہیں کہ

"عن الاسلمی عن الحارث بن عبدالرحمن بن أبی ذباب عن السائب بن یزید قال "کنا ننصرف من القیام علی عهد عمر ؓ وقد دنا فروع الفجر، وکان القیام علی عهد عمر ثلاثة وعشرین رکعة"

---

۵ – اسی طرح قاضی شوکانیؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ : امام ابو داؤدؒ اور امام منذریؒ اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے ، نیز امام ابو داؤدؒ نے صراحت کی ہے کہ وہ اسی سند پر سکوت فرماتے ہیں جو قابل احتجاج ہو اور اس کی سند کے رجال ائمہ ثقات ہوں۔(یعنی اس کی سند کے راوی ثقہ ہوں) (نیل الاوطار ۱/۱۵۸، دوسرا نسخہ ۱/۴۵۶)

۶ – حافظ زبیر علی زئی صاحب بھی امام منذریؒ کے سکوت کو (ترغیب میں) حجت سمجھتے ہیں ، بلکہ فرماتے ہیں کہ (ان کا سکوت) ان کے نزدیک تحسین و تصحیح ہوتی ہے۔(مقالات ۶/۱۴۱)

۷ – اہل حدیث محدث مولانا عبید اللہ مبارکپوری صاحب ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور پر امام ابوداؤدؒ نے کچھ کلام نہیں کیا ہے۔ان کا سکوت اور ولید بن عبد اللہ بن جمیع کے بارے میں ان کا اس میں جرح نہیں کہنا اس بات کی دلیل ہے یا علامت ہے کہ حضرت جابرؓ کی یہ پوری حدیث بروایتِ ابن جمیع ان کے نزدیک حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔(فتاویٰ عبید اللہ مبارکپوری ۱/۱۴۶)

۸ – اسی طرح قاضی شوکانیؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ :
اور جس حدیث پر امام ابوداؤدؒ اور امام منذریؒ دونوں سکوت کریں ، وہ حدیث بے شک احتجاج کے لائق ہے ، سوائے چند جگہوں کے جس پر میں نے اس شرح میں تنبیہ کی ہے۔(نیل الاوطار ۱/۲۶)

۹–غیر مقلد ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب بھی امام ابو داؤدؒ کے سکوت کو حجت مانتے ہے۔(مسائل قربانی : ص ۴۱) تو معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک امام ابو داؤدؒ اور امام منذریؒ کا سکوت حجت ہے۔

سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں فارغ ہوتے تھے تو فجر کا وقت قریب ہو چکا ہوتا تھا اور عمر فاروقؓ کے زمانے میں تیئیس رکعت پڑھی جاتی تھی۔(مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر:۷۷۳۳،**اسنادہ حسن بالمطابعات**)

اعتراض: اس بیس رکعت والی روایت میں الاسلمیؒ کو کفایت اللہ سنابلی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییؒ المتوفی ۱۸۴ھ قرار دیتے ہیں۔(مسنون تراویح)

الجواب : حارث بن عبدالرحمن بن ابی ذبابؒ کے شاگردوں میں الاسلمیؒ کے نام سے دو راوی ہیں۔

۱:ابراہیم بن محمد بن ابی یحیی الاسلمیؒ المتوفی ۱۸۴ھ۔

۲:محمد بن فلیح الاسلمیؒ المتوفی ۱۹۷ھ۔دیکھئے تہذیب الکمال جلد:۲۶صفحہ :۲۹۹

یہی وجہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم عبدالمنان نور پوری صاحب نے اپنی کتاب" تعداد تراویح "میں انہیں دونوں راویوں کو امام عبدالرزاق کا استاذ بتایا ہے۔(تعداد تراویح صفحہ ۳۴۳) **اسکین ملاحظہ فرمائے:**

مکالمات نور پوری | 343 | تعداد التراویح

عُمَرَ وَقَدْ دَنَا فُرُوْعُ الْفَجْرِ وَكَانَ الْقِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ ثَلَاثَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً . (ج۴ص۲۶۱۔ح۷۷۳۳)

"عبدالرزاق نے اسلمی سے روایت کی انہوں نے حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذباب سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمرؓ کے عہد میں قیام سے اس وقت فارغ ہو کر لوٹتے تھے جب فجر کا آغاز قریب ہوتا تھا اور حضرت عمرؓ کے عہد میں قیام تیئیس رکعت تھا۔

(جلد۴صفحہ۲۶۱ حدیث:۷۷۳۳)

عبدالرزاق سے متعلق کلام تو گزر چکا مزید تفصیل کے لیے میزان ملاحظہ فرمائیں اس روایت کے دوسرے راوی اسلمی کی بابت تقریب میں ہے صدوق یہم اور میزان میں ہے:

قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ مَابِهٖ بَأْسٌ وَلَيْسَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ مَاتَ سَنَةَ سَبْعٍ وَتِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ وَوَثَّقَهٗ بَعْضُهُمْ وَهُوَ اَوْثَقُ مِنْ اَبِيْهِ وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ لَيْسَ بِقَوِيٍّ لَا يُعْجِبُنِيْ حَدِيْثُهٗ وَرَوٰى اَحْمَدُ بْنُ اَبِيْ خَيْثَمَةَ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ ثِقَةٌ قَدْ كَتَبْتُ عَنْهُ[1]

[1] یہ اقوال تو عبدالرزاق کے استاذ محمد بن فلیح بن سلیمان اسلمی یا خزاعی سے متعلق تھے۔ عبدالرزاق کے اساتذہ میں ایک اسلمی اور بھی ہیں جن کا نام ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: "مَتْرُوْكٌ مِنَ السَّابِعَةِ" اور حافظ ذھبی میزان میں لکھتے ہیں: "اَحَدُ الْعُلَمَاءِ الضُّعَفَاءِ" نیز نقل فرماتے ہیں:"يَحْيَى ابْنُ سَعِيْدٍ يَقُوْلُ: سَأَلْتُ مَالِكًا عَنْهُ اَكَانَ ثِقَةً فِي الْحَدِيْثِ"فَقَالَ: لَا وَلَا فِيْ دِيْنِهٖ . يَحْيَى الْقَطَّانُ يَقُوْلُ:اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَبِيْ يَحْيٰى كَذَّابٌ .اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَ: تَرَكُوْا حَدِيْثَهٗ قَدَرِيٌّ مُعْتَزِلِيٌّ »

بغیر کسی مضبوط دلیل کے کفایت صاحب کا الاسلمیؒ سے مراد ابراہیم بن محمد بن یحیی الاسلمی المتوفی ۱۸۴ھ لینا باطل ومردود ہے۔

شبہہ: بعض لوگوں نے حافظ ابن حجرؒ العسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ کا قول پیش کیا ہے کہ انہوں نے الاسلمی سے مراد ابراہیم بن محمد لیا ہے۔حالانکہ حافظ ابن حجرؒ کا پورا قول یہ ہے : **وقال عبدالرزاق فی مصنفہ أنا الاسلمی عن زید بن اسلم سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العربان فی البیع فأحلہ وھذا ضعیف مع ارسالہ والاسلمی ھو ابراھیم بن محمد بن أبی یحیی** (تلخیص الحبیر جلد ؛۳ صفحہ ۳۹)

غور فرمایئے !حافظ ابن حجرؒ نے **زید بن اسلم**ؒ کی روایت میں بتایا ہے کہ الاسلمی سے مراد ابراہیم بن محمد بن یحیی مراد ہیں۔نہ کہ حارث بن عبدالرحمن بن اَبی ذبابؒ کی روایت میں۔لیکن بحث اس پر ہے کہ حارث بن عبدالرحمن بن اَبی ذباب کی روایت میں الاسلمی کون ہیں ؟اس کے میں حافظؒ نے کچھ بھی نہیں کہا لہذا اس سے دلیل پکڑنا ہی بے کار ہے۔

اعتراض۔۲: کفایت صاحب کہتے ہیں کہ ابراہیم بن اَبی یحیی کذاب ہے۔اور لکھتے ہیں کہ روایت کے موضوع (من گھڑت ہونے میں ہمیں کوئی شک نہیں۔(مسنون رکعات تراویح صفحہ ؛۶۶)

الجواب۔۱: اگر اہل حدیثوں کے بقول الاسلمی سے مراد ابراہیم بن اَبی یحییؒ ہوں تو اہل حدیثوں کا عموما اور کفایت صاحب کا خصوصا ان کو کذاب کہنا بے کار ہے ،کیونکہ اہل حدیثوں کے محدث

(۱)　مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ المتوفی ۱۳۵۳ھ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "**فیہ ابراھیم بن محمد بن أبی یحیی فقد وثقہ جماعۃ منھم الشافعی ابن الاصبحانی وابن عدیو ابن عقدہ وضعہ آخرون قالہ القیم فی جلاء الافھام**" اس روایت میں ابراہیم بن محمد بن اَبی یحیی ہیں اور ان کو ایک جماعت نے ثقہ قرار دیا ہے ،جسمیں امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ، امام ہمدان بن الہیثم الاصبہانیؒ المتوفی ۳۰۱ھ ،امام احمد محمد بن عقبہؒ المتوفی ۳۳۲ھ ،امام ابن عدیؒ المتوفی ۳۶۵ھ اور کچھ دوسرے لوگوں نے ضعیف کہا ہے جیسا کہ ابن القیمؒ نے جلاء الافہام میں کہا ہے۔(تحفۃ الاحوذی جلد؛۴ صفحہ ؛۹۳) معلوم ہوا کہ خود فرقہ اہل حدیث کے محدث مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ کے نزدیک ابراہیم بن محمد بن اَبی یحیی کذاب نہیں ہیں۔

نوٹ : مولانا عبد الرحمن مبارک پوریؒ کا ایک اور قول انکی ایک کتاب القول السدید کے حوالے سے آگے آرہاہے۔

(۲)　مشہور اہل حدیث عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ نے بھی یہی بات کہی ہے۔(عون المعبود جلد:۸ صفحہ :۳۵۰)

(۳)　اسی طرح ایک اور اہل حدیث عالم مولانا عبیداللہ مبارکپوریؒ ایک روایت جس میں ابراہیم بن محمد بن اَبی یحیی موجود ہیں اس کا دفاع کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ "**قلت (ھو قول السیوطی) کان الشافعی یوثقہ والحدیث اخرجہ ابن ماجہ والحق فیہ أنہ لیس بموضوع۔**" میں کہتا ہوں (امام سیوطیؒ کا قول یہ ہے) کہ امام شافعیؒ ابراہیم بن اَبی یحییؒ کو ثقہ کہتے تھے اور امام ابن ماجہ نے اس کی تخریج کی ہے۔اور اس بات میں حق یہ ہے کہ وہ روایت جسمیں ابراہیم بن ابی یحییؒ موجود ہیں وہ موضوع نہیں ہے۔(مرعات شرح مشکوۃ جلد ؛۵ صفحہ ؛۲۸۳) معلوم ہوا کہ اس اہل حدیث عالم کے نزدیک بھی ابراہیم بن ابی یحییؒ کذاب نہیں ہیں تبھی تو اس کی روایت کو موضوع نہیں کہا۔

(۴) قاضی شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ "فی اسنادہ ابراھیم بن محمد بن ابی یحیی وھو ضعیف وان کان حجۃ عند الشافعی والحدیث یدل علی ان التیمم ضربۃ واحدۃ" اس روایت کی سند میں ابراہیم بن محمد بن اَبی یحییٰؒ ہیں اور وہ ضعیف ہیں اگرچہ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ حجت ہیں ۔اور تیمم میں ایک ضرب کے ہونے پر حدیث دلالت کرتی ہے۔(نیل الاوطار جلد؛۱ صفحہ ؛۳۲۸)

(۵) مصر کے اہل حدیث عالم شیخ مصطفی العدوی صاحب نے ابراہیم بن اَبی یحییٰؒ کی اسی بیس رکعت والی روایت کو ضعیف تو کہا ہے لیکن موضوع (من گھڑت) نہیں کہا۔(عدد رکعات قیام اللیل صفحہ ؛۴۱)

یہ خود فرقہ اہل حدیث کے علماء ہوئے جو ابراہیم بن یحیی کو کذاب نہیں مانتے ،نیز اتنا ہی نہیں بلکہ جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک بھی ابراہیم بن ابی یحییؒ المتوفی ۱۸۴ھ ضعیف ہی ہیں کذاب ہرگز نہیں ، بلکہ بعض کے نزدیک تو ثقہ ہیں جسکی تفصیل یہ ہے۔۔

(۱) امام محمد بن ادریس الشافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں۔۔وکان ثقۃ فی الحدیث۔کہ ابراہیم بن ابی یحییؒ حدیث میں ثقہ ہیں۔

(۲) امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ " قال الشیخ سألت احمد بن محمد بن سعید فقلت تعلم أحدا أحسن القول فی ابراھیم بن أبی یحیی غیر الشافعی، فقال لی نعم حدثنا أ-حمد بن یحیی الاودی قال سألت حمدان بن الاصبھانی یعنی محمدا فقلت أتدین بحدیث ابراھیم بن ابی یحیی ؟فقال نعم۔" میں نے احمد بن محمد بن سعیدؒ (جو کہ امام ابن عقبہؒ ہیں ان سے) پوچھا کہ کیا آپ امام شافعیؒ کے علاوہ ابراہیم بن ابی یحییؒ کے بارے میں کسی ایک کا اچھا قول جانتے ہیں ؟تو امام ابن عقبہؒ نے مجھ سے کہا کہ :ہاں پھر فرمایا کہ

ہمیں احمد بن یحیی الاودیؒ نے بیان کیا کہ میں نے امام حمدان بن الاصبہانیؒ المتوفی ۱۰۳ھ سے سوال کیا کہ کیا ابراہیم بن ابی یحییؒ کی حدیثوں کو معتبر سمجھتے ہیں تو امام حمدان بن الاصبہانیؒ نے کہا :ہاں۔

(۳) امام احمد بن محمد بن عقبہؒ المتوفی ۳۳۲ھ فرماتے ہیں کہ " نظرت فی حدیث ابراھیم بن ابی یحیی کثیرا ولیس ھو بمنکر الحدیث۔" میں نے ابراہیم بن ابی یحییؒ کی حدیثوں میں بہت غور کیا ہے اور وہ منکرالحدیث نہیں ہیں۔

(۴) امام ابن عدیؒ المتوفی ۳۶۵ھ فرماتے ہیں کہ "وقد نظرت انا ایضا فی حدیثہ الکثیر فلم اجد فیہ منکرا الا عن شیوخ یحتملون، وقد حدث عنہ ابن جریج والثوری وعباد بن منصور ومندل وابو ایوب ویحیی بن ایوب المصری وغیرھم من الکبار، وقد نظرت انا فی احادیثہ وتبحرتھا وفتشت الکل منھا فلیس فیھا حدیث منکر، وانما یروی المنکر اذا کان العھدۃ من قبل الراوی عنہ او من قبل من یروی ابراھیم عنہ وکأنہ أتی من قبل شیخہ لا من قبلہ، وھو فی جملۃ من یکتب حدیثہ وقد وثقہ الشافعی وابن الاصبھانی وغیرھما" میں نے ان کی بہت سی حدیثوں میں غور کیا تو میں نے اس میں کسی ایک حدیث کو منکر نہیں پایا مگر مشتبہ شیخ سے۔اور ان سے ابن جریج ، سفیان ثوری ، عباد بن منصور، مندل ، ابو ایوب اوریحیی بن ایوب المصری رحمہم اللہ وغیرہ بڑے بڑے لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے۔ایک اور مقام پر ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی حدیثوں میں غور کیا ،گہرائی سے دیکھا ،اور ان کی تمام احادیث کی تحقیق کی تو ان کی کوئی حدیث منکر نہیں ملی۔

اور ان کی روایت منکر تب آتا تھا جب کہ اس سے روایت کرنے والے کی بات ہو ،یعنی منکر والی بات امام ابن ابی یحیی کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی بلکہ ان سے روایت کرنے والے کی وجہ سے ہوتی تھی۔اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں،اور اس میں شک نہیں کہ امام شافعیؒ اور امام ابن الاصبہانیؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔(الکامل لابن عدی جلد؛۱ صفحہ ؛۳۵۷،۳۵۸،۳۶۷)

(۵) امام دار قطنیؒ المتوفی ۳۸۵ھ بھی ابراہیم بن ابی یحییؒ کو ضعیف کہتے ہیں (سنن دار قطنی جلد ؛ ۱ صفحہ ؛ ۶۲)

(۶) امام بیہقی ؒ المتوفی ۴۵۸ھ بھی ابراہیم بن ابی یحیی کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ" قداختلف الحفاظ فی عدالته" حفاظ نے ان کی عدالت کے بارے میں اختلاف کیا ہے (سنن کبری للبیہقی جلد ؛۱ صفحہ ؛۲۰۵)

ایک اور مقام پر تفصیل سے امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ "مختلف فی ثقاهته وضعفه أكثر أهل العلم بالحديث وطعنوا فيه وكان الشافعی يبعده عن الكذب ،قال الشافعی: لان يخر ابراهيم من بعد أحب اليه من ان يكذب ،وكان ثقة فی الحديث۔وقال ابو احمد۔ابن عدی۔:قد نظرت انا فی احاديثه فليس فيها حديث منكر ،وانما يروی المنكر اذا كان العهدة من قبل الراوی عنه او من قبل من يروی ابراهيم عنه" ان کی ثقاہت اور ضعف کے بارے میں اختلاف ہے ،اکثر علماء نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور حدیچ کے سلسلے میں ان پر طعن کیا ہے۔امام شافعیؒ ان کو کذب سے بری قرار دیتے ہیں،امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن یحیی گر پڑے یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ وہ جھوٹ بولے۔(میں نہیں سمجھتا کہ وہ جھوٹ بولیں گے) اور وہ حدیث میں ثقہ ہیں۔اما م ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی احادیث کو غور سے دیکھا ہے اس میں کوئی حدیث منکر نہیں ہے ،اور ان کی روایت میں منکر تب آتاہے جب کہ اس سے روایت کرنے والے کی بات ہو، یعنی منکر والی بات ابراہیم بن ابی یحیی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان سے روایت کرنے والے کی وجہ سے ہوتی ہے۔یا جن سے ابراہیم بن ابی یحییؒ نے روایت نقل کی ہے ان کی وجہ سے روایت منکر ہوتی ہے۔(سنن کبری للبیہقی جلد ؛۱ صفحہ ؛۳۷۸)

(۷) امام ابو عبد الملک بن عبد البرؒ المتوفی ۳۳۸ھ فرماتے ہیں کہ "قال ابو عبد الملك بن عبد البر فی "تاريخ قرطبة" روی عنه بقی بن مخلد ،وكان من اكبر الناس فی ابن عيينة،وبقی لا يروی الا عن ثقة عنده" بقیہ بن مخلدؒ نے ابراہیم محمدؒ سے روایت کیا ہے، وہ ابن عیینہؒ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں اور بقیہ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے تھے۔(تاریخ قرطبہ بہ حوالہ اکمال تہذیب الکمال جلد ؛۱صفحہ ؛۲۸۵)

اسی طرح۔۔۔

(۸) امام عجلیؒ المتوفی ۲۶۱ھ

(۹) امام ابو احمد الحاکمؒ المتوفی ۳۷۸ھ

(۱۰) امام ابو ذرعہ الرازیؒ المتوفی ۲۸۱ھ

(۱۱) امام یعقوب بن سفیانؒ المتوفی ۲۷۷ھ

(۱۲) امام ابن سعدؒ المتوفی ۲۳۰ھ ان سب حضرات نے ابراہیم بن ابی یحییٰؒ پر جرح تو کی ہے پر کسی نے ان کو کذاب نہیں کہا ہے ۔(تہذیب التہذیب جلد ؛صفحہ ۱۵۹)

امام ابن القطانؒ المتوفی ۶۲۸ھ (اپنی علل میں) فرماتے ہیں کہ : قد کان من الناس من احسن الرأی فیه منهم الشافعی و ابن جریج۔ ابراہیم بن ابی یحیی کے بارے میں اچھی رائے رکھنے والے لوگوں میں امام شافعیؒ اور

(۱۳) امام ابن جریجؒ المتوفی ۱۵۰ھ ہیں۔ (کتاب العلل لابن قطان بہ حوالہ البدر المنیر جلد ؛۱ صفحہ ؛ ۴۴۱)

باوجود ان پر شدید جرح نقل کرنے کے

(۱۴) امام ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ

(۱۵) امام ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ ان کو کذاب نہیں کہتے۔(میزان الاعتدال ؛جلد ؛ ۱ صفحہ ۵۷، تقریب التہذیب رقم : ۲۴۱)

مزید امام ذہبیؒ نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کو عالم، محدث ، شیخ ، فقیہ اور علماء میں سے قرار دیتے ہیں۔(سیر اعلام النبلاء جلد؛۸ صفحہ ؛۴۵۰)

(۱۶) حافظ ابن عبدالہادیؒ المتوفی ۷۴۴ھ نے بھی ضعیف کہا ہے۔(تنقیح التحقیق جلد ؛۴) الغرض یہ کچھ فقہاء و محدثین ہیں جنہوں ابراہیم بن ابی یحیٰؒ پر جرح تو کی ہے لیکن ان کو کذاب نہیں قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔

نوٹ۔ ۱ : جہاں تک بعض محدثین کا ابراہیم بن ابی یحیی کو کذاب کہنے کی بات ہے ، تو ہماری تحقیق کے مطابق امام مالکؒ نے انہیں سب سے پہلے کذاب قرار دیا ہے۔(الکامل جلد؛۱ صفحہ ؛۳۵۳)

اور خود کفایت صاحب کے فرقے کے عالم ارشاد الحق اثری صاحب محمد بن اسحقؒ المتوفی ۱۵۰ھ پر امام مالکؒ کی جرح کا جوب دیتے ہوئے ایک قاعدہ بیان کیا ہے ،وہ لکھتے ہیں۔۔۔"امام مالکؒ اہل حجاز میں سے ہیں اور ان کے متعلق امام ابن حبانؒ نے تصریح کی ہے کہ اہل حجاز خطا پر بھی کذب (جھوٹ) کا اطلاق کرتے ہیں۔ بلکہ علامہ محمد مرتضی زبیدیؒ نے التوشیح کے حوالے سے لکھا ہے کہ باقی لوگوں نے بھی اس میں اہل حجاز کی پیروی کی ہے ،اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے انہاء السکن میں بھی اسی قول کا ذکر کیا ہے۔علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل ایک خطا پر کاذب کا اور متعدد خطاؤں پر کذاب کا اطلاق کرتے ہیں۔(توضیح الکلام صفحہ :۲۲۹)

اسکین:

توضیح الکلام 229

حالانکہ اگر یہ "ضعیف اور رکیک تاویلیں" ہیں تو ان کا اعتراف علامہ ابن ہمامؒ نے بھی کیا ہے جنھیں وہ "ماہر امام" قرار دیتے ہیں۔ (احسن ص ۳۳ ج ۲) اور انھوں نے امام مالکؒ کے رجوع کا بیانگ دہل اعلان کیا ہے۔

رہا سلیمان تیمی کا معاملہ تو اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے یہی بات کہی ہے کہ:

فلم یتبین لی لأی شیء تکلم فیه والظاهر انه لأمر غیر الحدیث لان سلیمان لیس من اهل الجرح والتعدیل۔ (تهذیب: ص ۴۵ ج ۹)

مجھے اس بات کی اطلاع نہیں ہوسکی کہ کس سبب کی بنا پر انھوں نے ابن اسحاقؒ پر کلام کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام حدیث کی بنا پر نہیں بلکہ کسی اور سبب کی بنا پر ہے کیوں کہ سلیمانؒ تیمی ائمہ جرح وتعدیل میں سے نہیں ہیں۔

اس کے جواب میں صرف "ضعیف اور رکیک تاویلیں" کہہ دینا کافی نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ خود ائمہ فن میں شمار ہوتے ہیں۔ معترض پر لازم تھا کہ وہ سبب کذب بیان کرتے اور سلیمان تیمیؒ کا ائمہ جرح وتعدیل میں شمار ہونے کا ثبوت دیتے۔ لیکن یقین جانیے وہ اور ان کے ہمنوا اس کا قطعاً ثبوت مہیا نہیں کر سکتے۔ کتب جرح میں ان کے چند اقوال دیکھ کر ائمہ جرح وتعدیل میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل اور علامہ السخاویؒ نے المتکلمون فی الرجال " کے نام سے " الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ " کے آخر میں ائمہ جرح وتعدیل کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ حصہ علیحدہ بھی ایک رسالہ میں طبع ہو چکا ہے۔ مگر انھوں نے بھی سلیمان تیمیؒ کو ائمہ جرح وتعدیل میں شمار نہیں کیا۔ سلیمان تیمیؒ بلاشبہ بڑے متقی اور سنت کے متبع تھے۔ ممکن ہے انھوں نے یہ کلام ابن اسحاق کے قدری ہونے کی بنا پر کیا ہو۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ پھر حافظ ابن حجرؒ نے جو بات کہی ہے کوئی اجنبی نہیں۔ امام مالکؒ نے انھیں کذاب کہا ہے جو ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں لیکن امام ابوزرعہؒ امام دحیمؒ سے نقل فرماتے ہیں:۔

ان ذلک لیس للحدیث انما هو لانه اتهمه بالقدر۔ (بغدادی: ص ۲۲۴ ج ۱)

کہ امام مالکؒ کی جرح حدیث کی بنا پر نہیں بلکہ وہ قدریہ فرقہ سے متہم تھے۔ اس لیے ان پر کلام کیا ہے۔

لہٰذا امام مالکؒ کی اس جرح کو ائمہ جرح وتعدیل نے کذب فی الحدیث پر محمول نہیں کیا تو سلیمان تیمیؒ جو جرح و تعدیل کے امام بھی نہیں۔ ان کے کلام کا اگر یہی محمل حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے تو اسے "ضعیف اور رکیک تاویلیں" کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ امام مالکؒ اہل حجاز میں سے ہیں اور ان کے متعلق امام ابن حبانؒ نے تصریح کی ہے کہ:

اهل الحجاز یطلقون کذب فی موضع اخطأ۔ (مقدمه فتح الباری: ص ۴۲۷)

کہ اہل حجاز خطا پر کذب کا اطلاق کرتے ہیں۔

بلکہ علامہ محمد مرتضیٰ زبیدیؒ نے التوشیح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ باقی لوگوں نے بھی اس میں اہل حجاز کی پیروی کی ہے۔ (تاج العروس ص ۴۵۱ ج ۱)

اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے انہاء السکن (ص ۴۳) میں بھی اس قاعدہ کو ذکر کیا ہے۔ علامہ کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ ائمہ

توضیح الکلام 230

جرح ایک خطا پر کاذب کا اور متعدد خطاؤں پر کذاب کا اطلاق کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں: " ان ارباب الجرح یطلقون من اخطأ مرة بالکاذب و علی من اخطأ مرارا بالکذاب " (العرف الشذی: ص ۱۱۳)۔ لہٰذا حافظ ابن حجرؒ نے جو فرمایا وہ اصولاً بھی صحیح ہے۔ لیکن مولانا صفدر صاحب یا تو اس سے واقف نہیں یا پھر ابن اسحاقؒ پر جرح کے شوق میں حقائق سے اغماض کر رہے ہیں۔ خود حضرت مزید فرماتے ہیں:

"بالفرض سلیمانؒ تیمی ائمہ جرح وتعدیل میں سے نہ تھے تو کیا ہشامؒ بن عروہ، یحییٰؒ القطان، وہیبؒ، امام احمدؒ، یحییٰ بن معین، علی بن مدینیؒ، جریر بن عبدالحمیدؒ، امام نسائیؒ، امام ابن نمیرؒ، دارقطنیؒ، ابوزرعہؒ اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ بھی ائمہ جرح وتعدیل میں نہیں ہیں؟ اور امام مالکؒ کے رجوع کا بھی محض دعویٰ ہے۔ خطیبؒ لکھتے ہیں۔ امام مالکؒ کا ابن اسحاق میں کلام مشہور ہے۔" (ملخصاً ص ۳۷ ج ۲)

241 **جواب**: ہشامؒ بن عروہ، یحییٰؒ قطان، وہیبؒ، امام نسائیؒ، ابن نمیرؒ، دارقطنیؒ کے کلام کی حقیقت کیا ہے اور ان کا کلام کیسا ہے؟ یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں اور باقی ائمہ کے کلام کی حقیقت ان شاء اللہ ہم بیان کریں گے۔ امام مالکؒ کے رجوع کا ذکر امام ابن حبانؒ اور ابن ہمامؒ نے بھی کیا ہے۔ بعض متاخرین کا امام مالکؒ کے کلام کو نقل کرنا رجوع کے انکار کی کون سی معقول دلیل ہے؟ اس سلسلہ میں انھوں نے ابن جوزیؒ اور خطیبؒ کا جو کلام ذکر کیا ہے اس کی حقیقت بھی ان شاء اللہ آئندہ نمبروار ذکر کریں گے۔

امام جریرؒ بن عبدالحمید کی جرح

۷۔ جریرؒ بن عبدالحمید کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ ابن اسحاقؒ سے احادیث کی سماعت کریں گے۔ (بحوالہ تہذیب)

جواب: ا۔ کیا ہی خوب ہوتا اگر جریرؒ کا مکمل کلام نقل کر دیا جاتا، تا کہ اس قول کی حقیقت واضح ہو جاتی۔ ان کے الفاظ ہیں:

ما ظننت انی اعیش الی دهر یحدث فیه عن محمد بن اسحق و یسکت فیه عن الحسن۔

میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا جس میں ابن اسحاقؒ کی احادیث کی سماعت ہوگی اور حسنؒ بن عمارہ کی حدیث سے سکوت اختیار کیا جائے گا۔

جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ابن اسحاقؒ کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور حسن بن عمارہ کو ثقہ، حالانکہ عموماً محدثین نے ابن اسحاقؒ سے روایت لی ہے مگر حسن کی روایت سے توقف کیا ہے۔ حسن بن عمارہ کو امام احمدؒ متروک، منکر الحدیث، احادیثه موضوعة فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے اور اس کی احادیث جھوٹی ہیں۔

امام ابوحاتمؒ، مسلمؒ، نسائیؒ، اور دارقطنیؒ اسے متروک کہتے ہیں۔ محدث ساجیؒ کہتے ہیں کہ اہل حدیث اس کی حدیث کے ترک پر متفق ہیں۔ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ وہ بالاتفاق ضعیف ہے۔

242 امام ابن حبانؒ اور یعقوب بن شیبہ نے اسے متروک اور اس کی احادیث کو موضوع بتلایا ہے۔

لہذا اہل حدیث حضرات کے نزدیک جب یہ اصول ہے کہ اہل حجاز غلطیوں پر بھی کذاب کا لفظ استعمال کرتے ہیں ،اور اس میں باقی لوگ بھی ان کی پیروی کرتے ہیں تو خود اہل حدیث حضرات کے اصول کی روشنی میں۔۔امام مالکؒ کا ابراہیم بن ابی یحیؒی کو کذاب کہنا بھی خطا اور غلطی پر محمول ہوگا ،کیونکہ امام مالکؒ اہل حجاز مدینہ کے فقیہ اور عالم ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسرے محدثین نے بھی اس میں اہل حجاز (امام مالکؒ) کی اتباع کی ہے۔

نوٹ -۲: یاد رہے کہ دوسرے محدثین نے ان کو متابعت اور شواہد میں قابل قبول مانا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لہذا کفایت صاحب کا اسے کلی طور سے کذاب کہنا مردود ہے اور ان کا ایسے اعتراضات کرنا گویا اپنے ہی اصول سے ناواقفیت کی دلیل دیناہے ۔یہی وجہ کہ امام ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں کہ " قلت ماکان ابن ابی یحیی فی وزن من یضع الحدیث " ابراہیم بن محمد بن ابی یحیؒی موضوع حدیث گھڑنے والے نہیں تھے۔(تذکرۃ الحفاظ جلد ؛۱ صفحہ؛۱۸۱) لہذا ان کے بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ وہ کذاب نہیں ہے اور کفایت صاحب کا ان کی حدیث کو موضوع کہنا مردود ہے۔

اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ کا ابراہیم بن ابی یحیی کے بارے میں فتوی :

اہل حدیثوں کے محدث مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ اسی راوی کے بارے میں اپنا فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ان کی کسی حدیث کو استشہاداً ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں" **(القول السدید صفحہ ؛۴۷)**

اسکین:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القول السدید

فیما یتعلق

بتکبیرات العید

از

حضرت مولانا محمد عبد الرحمن صاحب مبارک پوری

مکتبۃ السنۃ

الدار السلفیۃ لنشر التراث الاسلامی

سفید مسجد بالمقابل پولیس اسٹیشن سولجر بازار کراچی

۳۷

تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر ۴:۔ چوتھی روایت کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ واقع ہیں جن کو یحییٰ القطان نے کذاب کہا ہے۔ پھر اُن کی روایت شواہد میں کیوں ذکر کی گئی؟

جواب۔ ابراہیم بن ابی یحییٰ کو اگرچہ قطان نے کذاب کہا ہے مگر امام شافعیؒ نے ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث میں ثقہ ہیں اور امام ممدوح نے ان سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور سفیان ثوری اور ابن جریج اور بڑے بڑے محدثین نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن عقدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کی حدیث میں غور و فکر کیا اور اس کو دیکھا تو معلوم ہوا وہ منکر الحدیث نہیں ہیں ابن عدی نے کہا کہ میں نے بھی ان کی حدیثوں کو بہت دیکھا لیکن کوئی حدیث منکر نہیں پائی۔ حوالہ کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال۔ پس جب ابراہیم بن ابی یحییٰ کے بارے میں امام شافعیؒ اور ابن عقدہ اور ابن عدی کا یہ قول ہے تو ان کی کسی حدیث کے استشہاداً ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال نمبر ۵:۔ پانچویں روایت جو دار قطنی سے نقل کی گئی ہے وہ بواسطہ عبد اللہ بن محمد بن عمار مروی ہے اور ان لوگوں کے بارے میں یحییٰ بن معین نے لیس بشیء کہا ہے میزان الاعتدال میں ہے۔

قال عثمان بن سعید قلت لیحیی کیف ھؤلاء قال لیسوا بشیء۔

یعنی اہل حدیث عالم مبارک پوری صاحب کے نزدیک ابراہیم بن ابی یحیی ؒکی روایت شاہد کے طور پر سپورٹ کے طور پر ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔لہذا جب ان کی حدیث کو سپورٹ کے طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے تو ابراہیم ؒکی بیس رکعت والی روایت کو بھی شاہد کے طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔الغرض کفایت صاحب کا اعتراض ان کے اپنے ہی عالم کے اصول کی روشنی میں باطل و مردود ہے۔

محدثین کا ابراہیم بن ابی یحیی کے بارے میں فیصلہ:

(۱) امام مغلطائی ؒالمتوفی ۷۶۲ھ فرماتے ہیں کہ۔۔خرج الحاکم حدیثہ فی الشواھد من کتاب الجنائز

(۲) امام حاکم ؒالمتوفی ۴۰۵ھ نے ان کی حدیث کو شواہد میں ذکر کیا ہے کتاب الجنائز میں (اکمال تہذیب الکمال جلد ۱؛صفحہ : ۲۸۵) معلوم ہوا کہ امام حاکم ؒکے نزدیک ان کی روایت کو شواہد میں ذکر کیا جا سکتاہے۔نیز امام مغلطائی ؒنے امام حاکم ؒکا منہج ذکر کیا ہے اور سکوت کے ذریعہ اس کی تائید کی ہے۔اور علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق امام مغلطائی ؒکے نزدیک بھی ابراہیم ؒکو شواہد میں ذکر کیا جا سکتا ہے۔(انوار الطریق صفحہ ۸)

(۳) ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ خلق اللہ الارض یوم السبت والجبال یوم الاحد والشجر یوم الاثنین والمکروہ یوم الثلثاء والنور یوم الاربعاء والدواب یوم الخمیس وآدم یوم الجمعۃ۔ اللہ تعالی نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور پہاڑ کو اتوار کے دن پیدا کیا اور درختوں کو پیر کے دن پیدا کیا اور ناپسند چیزوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور چوپایوں کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو

جمعہ کے دن پیدا کیا۔ اس روایت کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰؒ موجود ہیں لیکن پھر بھی امام حاکمؒ نے اس روایت کو متصل کہنے کے بعد فرمایا ہے کہ "وانماذکرتھالیستدل بشواھدھاعلیھاان شاءاللہ" اور میں نے اس حدیث کو اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس کے شواہد کے ذریعے اس سے استدلال کیا جائے ،ان شاء اللہ۔(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم صفحہ ۳۳)

(۴)　امام سخاویؒ المتوفی ۹۰۲ھ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔(العجالہ للفادانی صفحہ :۱۴ ،،ولفظ الغایہ للشوکانی)

اسی طرح ابراہیم بن ابی یحییٰؒ کی ایک دوسری حدیث تقویت دینے کے لئے

(۵)　امام بیہقیؒ المتوفی ۴۵۸ھ نے ابراہیم بن ابی یحیی کے تفرد پر ابن المدینیؒ کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔(الاسماء والصفات جلد :۲ صفحہ :۲۵۶)

(۶)　اسی طرح امام ابن حجرؒ المتوفی ۸۵۲ھ ایک روایت میں ابراہیمؒ کے تفرد کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "أماابراھیم بن ابی یحیی الراوی عنہ فلم ینفرد بہ بل تابعہ علیہ عبداللہ بن عبداللہ الاموی أخرجہ البیھقی والدارقطنی " جہاں تک ابراہیم بن ابی یحییٰؒ کی ان سے روایت کرنیکی بات ہے تو ابراہیم اس روایت میں منفرد ہیں بلکہ عبداللہ بن عبداللہ الامویؒ نے ان کی متابعت کی ہے جس کی امام بیہقیؒ اور امام دارقطنیؒ نے تخریج کی ہے۔(تلخیص الحبیر جلد :۲ صفحہ :۴۵۹) یہ کلام بھی بتارہا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نزدیک ابراہیم بن ابی یحییٰؒ متابعت میں مقبول ہیں۔کیونکہ انہوں نے خود ایک روایت میں ان کے تفرد کا دفاع کیا تاکہ ان کی روایت کو دوسری سند سے تقویت دیا جا سکے۔

وضاحت : محدثین کے منہج سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ ابراہیم ابی یحییٰؒ کی روایت کا جب کوئی متابع یا شاہد موجود ہو تو ان کی روایت بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ اور ابراہیم بن ابی یحییٰؒ کی بیس رکعت تراویح والی روایت کے کئی صحیح متابعات موجود ہیں۔ لہذا متابعات کی وجہ سے ان کی یہ روایت حسن ہوگی۔

الجواب -۲ : اگر ابراہیم بن یحییٰؒ کو کذاب مان لیں تو بھی کفایت صاحب کا اس روایت پر اعترض باطل ہے۔کیونکہ آٹھ رکعت تراویح کی روایت میں ایک راوی محمد بن حمید الرازی ہیں جس کو خود کفایت صاحب کذاب کہتے ہیں۔(مسنون رکعات تراویح صفحہ :۴۹) لیکن اس راوی کی روایت پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو یعقوب بن عبداللہ القمی سے محمد بن حمید کے علاوہ اور بھی بہت سے راویوں نے بیان کیا ہے پھر ان راویوں کا نام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سارے راوی ثقہ و صدوق ہیں ،لہذا محمد بن حمید پر اعتراض غلط ومردود ہے۔(تعداد رکعات قیام رمضان صفحہ : ۱۹)

اسکین:

ایک اعتراض

اس کی سند میں محمد بن حمید الرازی ہے۔(مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۱۹۷) جو کہ کذاب ہے۔!

جواب: اس حدیث کو یعقوب بن عبداللہ القمی سے محمد بن حمید کے علاوہ اور بھی بہت سے راویوں نے بیان کیا ہے، مثلاً:

① جعفر بن حمید الکوفی: (الکامل لابن عدی ۱۸۸۹/۵، المعجم الصغیر للطبرانی ۱۹۰/۱)

② ابوالربیع (الزہرانی/مسند ابی یعلی الموصلی ۳۳۶/۳، ۳۳۷ ح ۱۸۰۱، صحیح ابن حبان ح ۲۴۰۱، ۲۴۰۶)

③ عبدالاعلیٰ بن حماد (مسند ابی یعلی ۳۳۶/۳ ح ۱۸۰۱، الکامل لابن عدی ۱۸۸۸/۵)

④ مالک بن اسماعیل (صحیح ابن خزیمہ ۱۳۸/۲ ح ۱۰۷۰)

⑤ عبیداللہ یعنی ابن موسیٰ (صحیح ابن خزیمہ ۱۳۸/۲، ۱۰۷۰)

یہ سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں، لہٰذا محمد بن حمید پر اعتراض غلط اور مردود ہے۔

دوسرا اعتراض

اس کی سند میں یعقوب القمی ضعیف ہے، اس کے بارے میں امام دارقطنی نے کہا:

"ليس بالقوي"

جواب: یعقوب القمی ثقہ ہے، اسے جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے:

① نسائی نے کہا: ليس به بأس

② ابوالقاسم الطبرانی نے کہا: ثقة

③ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا (اور اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

④ جریر بن عبدالحمید اسے "مومن آل فرعون" کہتے تھے۔

⑤ ابن مہدی نے اس سے روایت بیان کی۔(تہذیب التہذیب ۳۴۲/۱۱، ۳۴۳)

اور ابن مہدی صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ (تدریب الراوی ۳۱۷/۱)

⑥ حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف ۲۵۵/۳)

الغرض جب محمد بن حمید الرازی اہل حدیثوں کے نزدیک کذاب ہونے کے باوجود صرف متابعت کی وجہ سے ان کی روایت صحیح ہو سکتی ہے ،تو پھر اہل حدیث حضرات کے اسی اصول کی روشنی میں ابراہیم بن ابی یحییٰؒ کی بھی روایت کی متابعات ہونے کی وجہ سے کم سے کم حسن تو ضرور ہوگی۔ اس لحاظ سے بھی کفایت صاحب کا اعتراض باطل ومردود ہے۔

آخری بات : کفایت صاحب کی بات اپنے ہی اصول کی روشنی میں

کفایت صاحب خود لکھتے ہیں کہ جب مطلقاً کسی کے کذاب ہونے بات کہی جائے تو حقیقی معنی ہی مراد ہونگے مگر یہ کہ کوئی قرینہ مل جائے۔(مسنون رکعات تراویح صفحہ ۴۵)

ہم کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ابی یحییٰؒ کو کذاب نہ کہنے کا قرینہ یہ ہے کہ ان کی بیس رکعت والی روایت کے کئی صحیح متابعات موجود ہیں۔ لہٰذا ان کے اپنے اصول کی روشنی میں ہی ان کا اعتراض باطل و مردود ثابت ہوا۔

البانی صاحب کا الزامی طور پر ایک حوالہ :

ممکن ہے کہ کفایت صاحب ہمارے قرینے کا رد کر دیں اس ہم البانی صاحب کا ایک حوالہ ذکر کر رہے ہیں: علامہ البانیؒ نے ابراہیم بن عثمان ابو شعیبؒ جنکو کفایت صاحب کذاب کہتے ہیں (مسنون رکعات تراویح صفحہ ؛۴۳) اس ابراہیم بن عثمانؒ کی ایک روایت کو البانیؒ حسن نہیں صحیح کہہ رہے ہیں۔(سنن ابن ماجہ حدیث نمبر :۱۴۹۵)اسکین ملاحظہ فرمائے:

سنن ابن ماجه

تصنيف

أبي عبد الله محمد بن يزيد القزويني

الشهير بـ (ابن ماجه)

(٢٠٩ - ٢٧٣ هـ)

حكم على أحاديثه وآثاره وعلّق عليه

العلامة المحدث محمد ناصر الدين الألباني

طبعة مميزة بضبط نصها، مع تمييز زيادات أبي الحسن القطان، ووضع الحكم على الأحاديث والآثار، وفهرست الأطراف والكتب والأبواب

اعتنى به

أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان

مكتبة المعارف للنشر والتوزيع

لصاحبها سعد بن عبد الرحمن الراشد

الرياض

شَفَّعَهُمُ اللَّهُ». [«الأحكام» أيضاً، «الصحيحة» (٢٢٦٧): م نحوه].

١٤٩٠ - (ضعيف) حدّثنا أبُو بكرِ بنُ أبي شيبةَ، وعليّ بنُ محمّدٍ، قالاَ: حدّثنا عبدُ اللّهِ بن نُميرٍ، عنْ محمّدِ بنِ إسحاقَ، عنْ يزيدَ بنِ أبي حبيبٍ، عنْ مرثدِ بنِ عبدِ اللّهِ اليزنيّ، عَن مالكِ بنِ هُبيرةَ الشاميّ - وكانتْ لهُ صُحبةٌ - قال: كان إذا أُتِيَ بِجنازةٍ، فتَقَالَّ(١) مَن تَبِعَهَا، جَزَّأَهُمْ ثَلاثةَ صفوفٍ، ثم صَلَّى عليها، وقال: إنَّ رَسولَ اللّهِ ﷺ قال: «ما صفَّ صُفُوفٌ ثلاثةٌ من المسلِمِينَ على ميِّتٍ إلاّ أَوْجَبَ» [«أحكام الجنائز» (١٠٠)].

٢٠ - باب ما جاء في الثناء على الميت

١٤٩١ - (صحيح) حدّثنا أحمدُ بنُ عبدةَ، قالَ: حدّثنا حمّادُ بنُ زيدٍ، عنْ ثابتٍ، عَن أنس بن مالكٍ؛ قال: مُرَّ على النَّبيِّ ﷺ بجِنَازَةٍ فأُثْنِيَ عَلَيها خَيْراً، فقال: «وَجَبَتْ»، ثم مُرَّ عَليه بجِنازَةٍ، فأُثنيَ عَليها شَرّاً، فقال: «وَجَبَت». فقيل: يا رسولَ اللّه! قُلتَ لهذه وَجَبت، ولهذه وَجَبَتْ. فقال: «شهادةُ القَومِ(٢)، والمؤمنونَ شُهودُ اللّهِ في الأَرضِ». [«الأحكام» (٤٤ - ٤٥): ق].

١٤٩٢ - (صحيح) حدّثنا أبُو بكرِ بنُ أبي شيبةَ، قالَ: حدّثنا عليّ بنُ مُسهرٍ، عنْ محمّدِ بنِ عمرٍو، عنْ أبي سلمةَ، عن أبي هريرةَ؛ قال: مُرَّ على النَّبيِّ بجِنازَةٍ فَأُثْنِيَ عليها خيراً في مناقِبِ الخيرِ(٣)، فقال: «وَجَبَت»، ثم مَرُّوا عليهِ بأخرى، فأُثنيَ عليها شَرّاً في مناقب الشَّرِّ، فقال: «وَجَبَت، إنكم شُهَداءُ اللّهِ في الأَرضِ». [«الأحكام» أيضاً، «الصحيحة» (٢٦٠٠)].

٢١ - باب ما جاء في: أين يقوم الإمام إذا صلَّى على الجنازة؟

١٤٩٣ - (صحيح) حدّثنا عليّ بنُ محمّدٍ، قالَ: حدّثنا أبُو أُسامةَ، قالَ: أخبرني الحُسينُ بنُ ذكوانَ، عنْ عبدِ اللّهِ بن بُريدةَ الأسلميّ، عَن سَمُرَةَ بنِ جندَبٍ الفَزَاريّ: أَنَّ رَسولَ اللّهِ ﷺ صلَّى على امرَأَةٍ ماتَت في نِفَاسِها، فقامَ وَسَطَها. [«الأحكام» (١١٠): ق].

١٤٩٤ - (صحيح) حدّثنا نصرُ بنُ عليّ الجهضميّ، قالَ: حدّثنا سعيدُ بن عامرٍ، عنْ همّام، عن أبي غالب؛ قال: رَأَيتُ أَنَسَ بنَ مالكٍ صَلَّى على جِنازَةِ رَجُلٍ، فقامَ حيالَ رأسِهِ، فجِيءَ بجنازةٍ أُخرى بِامرأةٍ، فقالوا: يا أَبا حمزةَ! صَلِّ عَلَيها. فَقامَ حِيالَ وَسَطِ السرير، فقالَ له العلاء بن زياد: يا أَبا حمزة! هكذا رأَيتَ رَسولَ اللّه ﷺ قامَ من الجِنازة مُقامَكَ مِن الرَّجُلِ، وقامَ من المرأَةِ مُقامَكَ مِن المَرأَةِ؟ قالَ: نعم. فأَقْبَلَ عَلَينا، فقالَ: احفَظوا. [«الأحكام» (١٠٩)، «المشكاة» (١٦٧٩)].

٢٢ - باب ما جاء في القراءة على الجنازة

١٤٩٥ - (صحيح) حدّثنا أحمدُ بنُ منيعٍ، قالَ: حدّثنا زيدُ بنُ الحُبابِ، قالَ: حدّثنا إبراهيمُ بنُ عُثمانَ، عنِ الحكمِ، عنْ مقسمٍ، عَن ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ النَّبيَّ ﷺ قَرَأَ على الجِنازَةِ بِفاتحَةِ الكتاب. [«المشكاة» (١٦٧٣)،

(١) «فتقالَّ»؛ أي: فعدَّهم قليلين.
(٢) «شهادة القوم»؛ أي: وجبت للميت شهادة القوم، أو مقتضاها.
(٣) «خيراً في مناقب الخير»؛ أي: خيراً معدوداً في خصال الخير وأفعاله.

٢٦٤

کفایت صاحب !کیا وجہ ہے کہ آپ کے محدث البانی صاحب نے آپ کے بہ قول ایک کذاب کی روایت کو صحیح کہہ رہے ہیں۔ پس جو جواب آپ اس روایت کا دیں گے وہی ہماری طرف سے ابراہیم بن ابی یحیٰؒ کے بارے میں ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابراہیم بن ابی یحیٰؒ پر کذاب کا الزام اس بیس رکعت والی روایت میں مردود ہے۔**اور ان کی یہ روایت متابعات کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔ واللہ اعلم**

روایت نمبر ۵ :

یزید بن رومانؒ کہتے ہیں کہ " کان الناس یقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرین رکعة " لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ۲۰ رکعات (تراویح) اور ۳ رکعات وتر پڑھتے تھے۔(مؤطا امام مالک : ۱/۱۱۵)

اعتراض : سنابلی صاحب اسے منقطع قرار دیتے ہے۔(مسنون رکعات التراویح : ۹۸)

الجواب: یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت جمہور فقہاء و محدثین(امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ،امام اوزاعیؒ، امام احمدؒ (مشہور روایت کے مطابق) ، امام سفیان ثوریؒ وغیرہ حضرات)کے نزدیک حجت ہے۔ (تدریب الراوی ، ۱/ ۱۰۳، نخبۃ الفکر ، ص: ۲۵۷، شرح مسلم للنووی ، ۱/ ۳۰ ،الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب ،ص: ۳۸۴،فتح المغیث ،۱/ ۲۴۶،ط، رسالہ ابی داؤد الی اہل مکہ، ص: ۲۴،ط، دار العربیہ بیروت)

البتہ امام شافعیؒ اور ان کے ہم فکر محدثین کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ، لیکن ان کے نزدیک مرسل معتضد حجت ہے یعنی اس مرسل کی تائید کسی دوسرے مرسل یا مسند سے ہو۔(شرح مسلم للنووی، ۱/ ۳۰، نزہۃ النظر لابن حجر ،ص: ۲۲۰) لہذا یہ روایت بھی دوسرے مرسل اور مسند روایات کے ساتھ مل کر محدثین کے نزدیک قابل حجت ہوتی ہے۔اسی طرح مرسل معتضد اہل حدیثوں کے نزدیک حجت ہے۔[24] لہذا سنابلی صاحب کا اسے منقطع بتاکر رد کرنا انکے اپنے مسلک کے اصول کی روشنی میں ہی مردود ہے۔

روایت نمبر ۶ :

یحیی بن سعید انصاریؒ کہتے ہیں کہ " أن عمر بن الخطاب أمر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة " حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ۲۰ رکعات (تراویح) پڑھائیں۔(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۷۶۸۲،و اسناده صحيح مرسل لكن حجة كمامر)

روایت نمبر ۷ :

---

[24] مرسل معتضد یعنی جب مرسل کی تائید کسی دوسری مرسل یا مسند سے ہو جائے، تو اسے مرسل معتضد کہتے ہیں اور یہ مرسل معتضد اہل حدیثوں کے نزدیک حجت ہے:

۱ - اہل حدیث محدث، مولانا عبد الرحمن مبارکپوریؒ ابو قلابہؒ کی مرسل کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کے نزدیک مرسلِ معتضد حجت ہے۔(ابکار المنن، صفحہ /۱۷۴-۲۷۴)

۲ - غیر مقلد محقق عبد الرؤف صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ مرسلاً مروی ہے اور یہ حدیث اپنے شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔(القول المقبول/ ۶۲۱)

۳ - قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ "هذا وإن كان مرسلا لكنه معتضد بما سبق" اگرچہ یہ روایت مرسل ہے، لیکن سابقہ روایات سے معتضد اور مؤید ہے۔(نیل الاوطار ۷/ ۹۲)

۴ - مولانا صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں کہ گویا یہ حدیث مرسل ہے، لیکن دوسری مستند احادیث سے مل کر قوی ہو گئی ہے۔(صلاۃ الرسول / ۳۴۰)

۵ - مولانا رئیس ندوی سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ: مرسل حدیث احناف و مالکیہ کے نزدیک مطلقاً حجت ہے، اور دوسرے اہل علم کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ حجت ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسری متصل سند سے، خواہ ضعیف ہو مروی ہو۔(نمازِ جنازہ اور اس کے مسائل / ۴۶)

۶- علامہ الالبانیؒ کے نزدیک بھی مرسل معتضد حجت ہے۔(دیکھئے ص)

۷- اہل حدیثوں کے 'امیر المومنین فی اسماء الرجال' علامہ معلمیؒ بھی مرسلِ معتضد حجت مانتے ہے۔(آثار الشيخ العلامة عبد الرحمن بن يحيي المعلمي: ج ۵ : ص ۱۱۲)

ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ " بلغني أن عمر بن الخطاب أمر عبدالله بن السايب المخزومي حين جمع الناس في رمضان أن يقوم بأهل مكة " مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے عبد اللہ بن سائب مخزومیؓ کو حکم دیا جس وقت کہ لوگوں کو رمضان میں جمع کیا کہ وہ اہل مکہ کو نماز (تراویح) پڑھائے ، راوی (نافع بن عمرؒ) کہتے ہیں کہ " بلغني أن قيام عبدالله بن السائب و ابن أبي مليكة عشرين ركعة، عشرين ركعة " مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ عبد اللہؓ اور ابن ابی ملیکہؒ کا قیام ۲۰ ہی رکعات تھا۔(طبقات الکبری لابن سعد، الطبقۃ الرابعۃ من الصحابہ: ص ۱۶۰،ط، مکتبہ صدیق ، سعودیہ) یہ روایت کی سند میں 'أبو بكر بن محمد بن أبي مرة المكي' ہے جن کے حالات نہیں ملے۔مگر متابعات کی وجہ سے اس کی سند 'حسن' ہے۔واللہ اعلم

الغرض ان تمام صحیح روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ ۲۰ رکعات تراویح کا حکم فرمایا تھا اور ۲۰ رکعات کا ہی معمول حضرت عمرؓ کے دور میں تھا۔اسی کو امت نے قبول کیا۔اسی طرح ایک اور روایت محمد بن کعب القرظیؒ سے بھی یہی بات مروی ہے کہ "كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً يُطِيلُونَ فِيهَا الْقِرَاءَةَ وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ "۔(مختصر قیام اللیل للمروزی، ص: ۲۲۰،ط، حدیث اکیڈمی پاکستان)[25]

لہذا صحیح اور راجح بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ ۲۰ رکعات تراویح کا حکم فرمایا تھا اور اہل حدیث حضرات کا اس کا انکار کرنا باطل اور مردود ہے۔

ص ۳۲ کے مضمون کا باقی حصہ

پانچوی صدی ھجری (م ۴۰۱ھ تا م ۵۰۰ھ) میں امام ابن عبد البر الاندلسیؒ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ "وهو قول جمهور العلماء وبه قال الكوفيون والشافعي اكثر الفقهاء وهو الصحيح عن أبي بن كعب من غير خلاف من الصحابة"۔(**الاستذکار ۵/۱۵۷**) مزید فرماتے ہیں " وهذا هو الاختيار عندنا وبالله توفيقنا"۔(**الاستذکار ۵/۱۵۸**) اور امام شیرازیؒ (م ۴۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ "يقوم شهر رمضان بعشرين ركعة في الجماعة التراويح"۔(التنبیہ للشیرازی : ص ۳۴) **چھٹویں صدی ھجری (م ۵۰۱ھ تا م ۶۰۰ھ) میں** امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ "التراويح وهي عشرون ركعة وكيفيتها مشهورة وهي سنة مؤكدة "۔ (**احیاء العلوم ۲/۳۶۴**) ،امام البغویؒ (م ۵۱۶ھ) کہتے ہیں کہ "من السُّنن الرواتب صلاة التراويح في شهر رمضان عشرون ركعة بعشر تسليمات" ۔ (**التھذیب للبغوی: ج ۲ : ص ۲۳۳**)،امام ابو الحسن یحیٰ بن ابی الخیر بن سالم الیمانیؒ (م ۵۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ "قيام شهر رمضان، وهو عشرون ركعة بعشر تسليمات بعد العشاء"۔(**البیان فی مذھب الامام الشافعی ۲/۲۷۴**)، شیخ عبد القادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ "وهي عشرون ركعة يجلس عقب كل ركعتين ويسلم فهي خمس ترويحات، كل أربعة منها ترويحة"۔(**غنیۃ الطالبین ، صفحہ ۲۶۸**) ، امام ابن رشدؒ (م ۵۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ "واختلفوا في المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس في رمضان، فاختار مالك في أحد قوليه، وأبو حنيفة والشافعي، وأحمد وداؤد القيام بعشرين ركعة سوى الوتر، وذكر ابن القاسم عن مالك أنه كان يستحسن ستا وثلاثين ركعة والوتر ثلاث"۔(**بدایۃ المجتھد ۱/۲۱۰**)　　باقی ص ۸۶ ہے۔

[25] اس کی سند نہیں ملی۔

۸ رکعت کے راوی محمد بن یوسفؒ نے بیس رکعت کی طرف رجوع کیا ہے۔(کفایت اللہ کو جواب)

الاجماع فاؤنڈیشن

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد النیشاپوریؒ (م۳۲۴؁ھ) اپنے کتاب **"فوائد"** میں فرماتے ہیں:

"حدثنا یوسف بن سعید، ثنا حجاج، عن ابن جریج، حدثنی اسماعیل بن امیة ان محمد بن یوسف ابن اخت السائب بن یزید، اخبرہ ان السائب بن یزید اخبرہ قال: جمع عمر بن الخطاب الناس علی ابی بن کعب، و تمیم الداری، فکانا یقومان بمائة فی رکعة فما ینصرف حتی نری او نشک فی فروع الفجر، قال فکنا نقوم باحد عشر قلت أو واحد و عشرین، قال: لقد سمع ذلک ابن السائب بن یزید بن خصیفة، فسألت یزید بن خصیفة، فقال حسبت ان السائب قال احدی و عشرین، قال محمد: أو قلت لاحدی و عشرین۔"

محمد بن یوسفؒ (م۱۴۰؁ھ) کو سائب بن یزیدؓ نے کہا کہ: حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کو ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ پر جمع کیا، وہ دونوں گیارہ رکعت (جس میں آٹھ رکعت تراویح ہے، اسے) پڑھتے تھے۔ جب یہ روایت محمد بن یوسفؒ اپنے شاگرد اسماعیل بن امیہؒ (م۱۴۴؁ھ) سامنے بیان فرمائی تو ان کے شاگرد اسماعیل بن امیہ نے (ان کو ٹوکتے ہوئے) کہا: (گیارہ رکعت) یا اکیس رکعت؟

محمد بن یوسفؒ نے کہا: یقیناً اسی طرح وہ بات(یعنی گیارہ رکعت والی بات) ابن خصیفہؒ نے سائب بن یزیدؓ سے سنا۔ اسماعیل ابن امیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے (اس بارے میں) یزید بن خصیفہؒ سے پوچھا: تو یزید بن خصیفہؒ نے کہا: مجھے تو لگتا ہے کہ سائب بن یزیدؓ نے ۲۱/رکعت کہا (تھا، جس میں ۲۰ رکعت تراویح ہے)

نوٹ: غیر مقلدین اہلِ حدیث علماء یہاں تک ہی اس روایت کو نقل فرماتے ہیں ، آگے کا جملہ وہ حضرات کیوں چھپاتے ہیں، اللہ بہتر جانتا ہے؟

دیکھئے:

الالبانی کے الفاظ : "**الثانی: ان ابن خصیفة اضطرب فی روایته العدد، فقال اسماعیل بن امیة ان محمد بن یوسف ابن اخت السائب بن یزید اخبرہ: قلت: فذکر مثل روایة مالک عن ابن یوسف ثم قال ابن امیة: قلت: او واحد و عشرین؟ قال: (یعنی محمد بن یوسف): لقد سمع ذلک من السائب بن یزید ابن خصیفة؟ فسألت (السائل ھو اسماعیل بن امیة) یزید بن خصیفة؟ فقال: حسبت ان السائب قال: احد و عشرین، قلت و سندہ صحیح**"۔(صلاۃ التراویح : ص۵۸)

اسکین:

صَلَاةُ التَّرَاوِيحِ

صَلّوا كَمَا رَأَيْتُمُوني أُصَلِّي
(رواه البخاري)

للعلامة المحدث
محمد ناصر الدين الألباني
رحمه الله تعالى

الطبعة الشرعية الوحيدة

مكتبة المعارف للنشر والتوزيع
لصاحبها سعد بن عبد الرحمن الراشد
الرياض

لم يروه الثقات[1]، فمثله يرد حديثه إذا خالف من هو أحفظ منه يكون شاذاً كما تقرر في " مصطلح الحديث " وهذا الأثر من هذا القبيل فإن مداره على السائب بن يزيد كما رأيت، وقد رواه عنه محمد بن يوسف وابن خصيفة، واختلفا عليه في العدد فالأول قال عنه: (١١)، والآخر قال: (٢٠)، والراجح قول الأول لأنه أوثق منه فقد وصفه الحافظ ابن حجر بأنه " ثقة ثبت " واقتصر في الثاني على قوله: " ثقة " فهذا التفاوت من المرجحات عند التعارض كما لا يخفى على الخبير بهذا العلم الشريف.

الثاني: أن ابن خصيفة اضطرب في روايته العدد، فقال إسماعيل بن أمية أن محمد بن يوسف ابن أخت السائب بن يزيد أخبره (قلت: فذكر مثل رواية مالك عن ابن يوسف ثم قال ابن أمية): قلت: أو واحد وعشرين؟ قال: (يعني محمد بن يوسف): لقد سمع ذلك من السائب بن يزيد – ابن خُصيفة؟ فسألت (السائل هو إسماعيل بن أمية) يزيد بن خصيفة؟ فقال: حسبت أن السائب قال: أحد وعشرين. قلت: وسنده صحيح.

[1] انظر " الرفع والتكميل في الجرح والتعديل " لأبي الحسنات اللكنوي (ص ١٤-١٥).

٥٨

اور کفایت اللہ صاحب نے بھی آگے کا جملہ چھپالیاہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں : **حدثنایوسف بن سعید، ثنا حجاج، عن ابن جریج، حدثنی اسماعیل بن امیۃ ان محمد بن یوسف ابن اخت السائب بن یزید، اخبرہ ان السائب بن یزید اخبرہ قال: جمع عمر بن الخطاب الناس علی ابی بن کعب، و تمیم الداری، فکانا یقومان بمائۃ فی رکعۃ فماینصرف حتی نری او نشک فی فروع الفجر، قال فکنا نقوم باحد عشر قلت أو واحد و عشرین، قال: لقد سمع ذلک ابن السائب بن یزید بن خصیفۃ، فسألت یزید بن خصیفۃ، فقال حسبت ان السائب قال احدی و عشرین۔** (مسنون رکعات تراویح: ص۶۸) **اسکین ملاحظہ فرمائے:**

مسنون رکعات تراویح، دلائل کی روشنی میں — 67

شدید جرحیں اس پر ہوئی ہیں اس کے لئے تہذیب اور عام کتب رجال کی طرف مراجعت کی جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت حارث بن عبدالرحمن بن أبی ذُباب کی وجہ سے موضوع و من گھڑت ہے لہذا اس کذاب کی روایت کو بنیاد بنا کر بخاری و مسلم کے ثقہ راوی محمد بن یوسف کی تغلیط کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

دوسری روایت

(از: یزید بن خصیفہ)

علی بن الجعد بن عبید البغدادی (المتوفی:۲۳۰ھ) نے کہا:

أنا ابْنُ أبِي ذِئْبٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً، وَإِنْ كَانُوا لَيَقْرَءُونَ بِالْمِئِينَ مِنَ الْقُرْآنِ.

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تے اور ایک ایک رکعت میں سوسوآیات پڑھتے تھے [مسند ابن الجعد: ص:۴۱۳]۔

یہ روایت شاذ ہے اس کی کئی وجوہات ہیں:

شذوذ پہلی وجہ

سند میں موجود یزید بن خصیفہ، رکعات کی تعداد صحیح طور سے ضبط نہیں کر سکے، اس بات کا اعتراف خود انہوں نے کرلیا ہے اور پوری صراحت کے ساتھ بتلا دیا کہ انہیں تعداد بالضبط یاد نہیں ہے بلکہ انہیں ایسا لگتا تھا کہ محمد بن سائب نے اکیس کی تعداد بتائی ہوگی، چنانچہ:

امام أبوبکر النیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۲۴) نے کہا:

حدثنا يوسف بن سعيد، ثنا حجاج، عن ابن جريج، حدثني إسماعيل بن أمية، أنَّ محمد بن يوسف ابن أخت السَّائب بن يزيد أخبره، أنَّ السَّائب بن يزيد أخبره قال: جمع عمر بن الخطاب الناس على أبي بن كعب وتميم الداري، فكانا يقومان

مسنون رکعات تراویح، دلائل کی روشنی میں — 68

بمائة في ركعة، فما ننصرف حتى نرى أو نشك في فروع الفجر. قال: فكنا نقوم بأحد عشر.

قلت: أو واحد وعشرين؟! قال: لقد سمع ذلك من السائب بن يزيد ابنُ خصيفة. فسألتُ يزيد بن خصيفة، فقال: حسبتُ أنَّ السّائب قال: أحد وعشرين.

ترجمہ: سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کے ساتھ تراویح پڑھنے کے لئے جمع کردیا، تو یہ دونوں ایک رکعت میں سوآیات پڑھاتے تھے پھر جب ہم نماز سے فارغ ہوتے تھے تو ہم کو لگتا کہ فجر ہو چکی ہے، سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔

اس روایت کے راوی اسماعیل بن امیہ نے جب محمد بن یوسف سے سنا تو پوچھا: گیارہ رکعات یا اکیس رکعات؟؟

محمد بن یوسف نے کہا: اس طرح کی بات یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔

اسماعیل بن امیہ کہتے ہیں کہ: پھر میں نے یزید بن خصیفہ سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ سائب بن یزید ﷛ نے اکیس کہا تھا۔[فوائد أبي بكر النيسابوري:ق ۱۳۵/ب]۔

اس روایت میں غور کیجئے کہ محمد بن یوسف سے ان کے شاگرد اسماعیل بن امیہ نے جب گیارہ کی تعداد سنی تو مزید یاد دلا کر پوچھا کہ کیا گیارہ رکعات یا اکیس رکعات؟؟؟

یہ یاد دلانے پر بھی محمد بن یوسف نے گیارہ ہی کی تعداد بیان کی اور کہا اکیس والی بات تو ابن خصیفہ بیان کرتے ہیں، گویا کہ محمد بن یوسف کو پوری طرح اپنے حفظ وضبط پر مکمل اعتماد تھا اسی لئے انہوں اپنے شاگرد کے دوبارہ پوچھنے پر بھی گیارہ ہی کی تعداد بتلائی۔

نیز محمد بن یوسف کو یہ بھی معلوم تھا کہ یزید بن خصیفہ اکیس کی تعداد بتلاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے گیارہ ہی کی تعداد آگے روایت کی اس سے معلوم ہوا کہ محمد بن یوسف نے پورے وثوق سے گیارہ کی تعداد بیان کی ہے۔

اس کے برعکس یزید بن خصیفہ کا حال یہ ہے کہ ان سے جب تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو

حالانکہ آگے اسی روایت میں ہے کہ: (پھر) محمد بن یوسفؒ نے کہا: "**قال محمد: أو قلت لاحدى وعشرين**" بلکہ میں کہتا ہوں یقیناً ۲۱ رکعات۔ (فوائد ابو بکر النیشاپوری: مخطوطہ، حدیث نمبر:۱۶) **اسکین ملاحظہ فرمائے:**
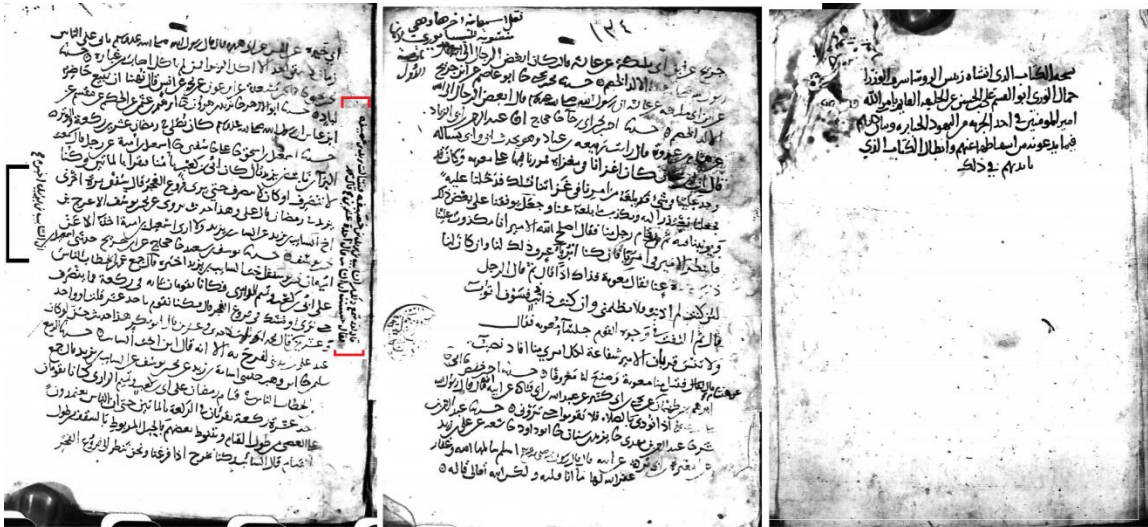
کفایت اللہ صاحب نے بھی جو فوائد ابو بکر النیشاپوری کا مخطوطہ پیش کیا ہے۔اس میں یہ الفاظ صاف نظر آرہے ہے۔لیکن موصوف نے اسے چھپالیا۔(مسنون رکعات تراویح: ص۱۱۳) **اسکین ملاحظہ فرمائے:**

113　　مسنون رکعات تراویح، دلائل کی روشنی میں

فوائد ابی بکر النیسابوری :(ق۱۳۵/ب) کی اس روایت کے صفحے کا عکس جس میں یزید بن خصیفہ نے رکعات تراویح کی تعداد کیس بتانے میں تردد کا اظہار کیا ہے۔

الغرض اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں کہ:

(۱)　جب اسماعیل ابن امیہؒ نے محمد بن یوسفؒ سے سوال کیا کہ تراویح آٹھ رکعت ہے یہ بیس رکعت؟ تو محمد بن یوسفؒ نے اپنی بات کی تائید میں یزید بن خصیفہؒ کو پیش کیا۔

(۲)　یزید بن خصیفہؒ سے اسماعیلؒ نے جو اب سنا کہ وہ (ابن خصیفہؒ) تو بیس رکعت کہتے ہیں(غالب گمان یہی ہے کہ ابن امیہؒ نے جب یہ بات محمد بن یوسفؒ کو بتائی کہ ابن خصیفہؒ بیس رکعت کہتے ہیں تو) محمد بن یوسف نے بیس رکعت کی طرف رجوع کیا اور اخیر میں بیس رکعت تراویح ہی بتایا ہے، جیسا کہ روایت میں ذکر ہے۔

(۳)　اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آٹھ رکعت کا حکم نہیں بلکہ بیس رکعت تراویح کا حکم دیا تھا۔ اور آٹھ رکعت والی بات محمد بن یوسفؒ کی غلطی ہے۔

نوٹ:　خود اہلِ حدیث علماء نے تسلیم کیا ہے کہ ثقہ راوی سے بھی کبھی کبھار غلطی ہوتی ہے۔

چنانچہ زبیر علی زئی صاحب ایک راوی پر کی جانے والی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ثقہ راویوں سے بھی (بسا اوقات) خطا لگ جاتی ہے۔(نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام: ص۳۱)

لہٰذا جب اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک ثقہ سے غلطی ہوسکتی ہے تو پھر محمد بن یوسفؒ کی غلطی پر کوئی تعجب نہیں ہے، جب کہ اس کی دلیل بھی موجود ہو۔

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ابو بکر النیشاپوریؒ فرماتے ہیں کہ: "ھذاحدیث حسن" یہ حدیث حسن ہے۔[26]

---

[26] سند کے رواۃ کی تحقیق:

(۱)　امام ابو بکر النیشاپوریؒ (م۳۲۴ھ) ثقہ حافظ فقیہ ہیں۔(کتاب الثقات للقاسم:ج۶ص۱۰۹)

(۲)　امام یوسف بن سعیدؒ (م۲۷۱ھ) بھی ثقہ حافظ ہیں۔(تقریب، رقم:۷۸۶۶)

(۳)　امام حجاج بن محمدؒ (م۲۰۶ھ) صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ وہ مضبوط ہیں۔(تقریب، رقم:۱۱۳۵)

(۴)　امام ابن جریجؒ (م۱۵۰ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ اور فقیہ، فاضل ہیں۔ (تقریب، رقم: ۴۱۹۳)

(۵)　امام اسماعیل بن امیہؒ (م۱۴۴ھ) بھی ثقہ ہیں۔(تقریب، رقم:۴۲۵)

(۶)　امام محمد بن یوسفؒ (م۱۴۰ھ) بھی ثقہ مضبوط ہیں۔(تقریب، رقم: ۶۴۱۴)

نوٹ:　اگرچہ محمد بن یوسفؒ ثقہ ہیں لیکن یہاں اس (گیارہ رکعت والی راویت میں ان) سے غلطی ہوئی ہے، جیسا کہ تفصیل اوپر گذر چکی، نیز علماء اہل حدیث نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ثقہ سے غلطی ہو سکتی ہے، لہٰذا اس روایت میں آٹھ رکعت کا ذکر ان کی غلطی کی وجہ سے ہے۔

(۷)　سائب بن یزیدؒ (م۹۱ھ) صحابیٔ رسول ﷺ ہیں۔(تقریب)

مشہور اہل حدیث محدث ناصر الدین البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔(صلاۃ التراویح:ص۵۸)

اور غالی غیر مقلد عالم کفایت اللہ سنابلی صاحب نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: مسنون رکعات تراویح ص۸۷ ۔

وضاحت :

کفایت اللہ صاحب کا یہ دھوکا جب ہمارے ایک ساتھی نے ذکر کیا اور ان کی حدیث کی ترجمانی میں گڑبڑی کو بھی واضح کیا تو جواب میں کفایت اللہ صاحب نے ایک مضمون تو لکھا۔لیکن انہونے "**قال محمد: أو قلت لاحدی وعشرین**" **کے الفاظ کو کیوں چھپایا،اس کے بارے میں اپنے مضمون میں خاموشی کو ہی غنیمت جانا۔**

ان کے مضمون کا جواب :

اسماعیل بن امیہ نے اپنے استاد محمد بن یوسف کو کیوں ٹوکااور یہ سوال کیوں کیاکہ گیارہ یا اکیس؟ اسکا جواب دیتے ہوئے خود فرقۂ اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں کہ : "یقینا یہ بات اسماعیل بن امیہ تک پہنچی ہوگی اور انہوں نے یہ سن رکھا ہوگا کہ محمد بن یوسفؒ نے اکیس رکعت بیان کی ہے ، لیکن جب انہوں نے اپنے استاد محمد بن یوسف سے براہ راست یہ روایت سنی تو محمد بن یوسف نے اکیس کی تعداد نہیں بتلائی جیسا کہ لوگوں نے ان کے حوالہ سے بیان کر رکھا تھا بلکہ گیارہ کی تعدا دبتلائی ، ظاہر ہے کہ ان کے شاگرد کو حیرانی ہوگی کیونکہ انہوں نے اپنے اسی استاد کے حوالہ سے اکیس کی تعداد سنی تھی ، لہٰذا انہوں نے فوراً سوال اٹھا دیا کہ گیارہ رکعات یا اکیس رکعات؟"۔

الحمدللہ کفایت اللہ صاحب نے خود ہی مان لیا کہ بخاری ومسلم کے راوی، عظیم محدث حضرت اسماعیل بن امیہؒ کو محمد بن یوسفؒ کی اکیس رکعت والی روایت بھی یقینی طور پر پہنچی ہوگی۔

اور اتنے یقینی طور پر پہنچی کہ جب انہوں نے گیارہ رکعت سنی تو نہ صرف حیران ہوئے بلکہ اپنے استاد کو اس اختلافی بیان پر ٹوک بھی دیا۔(اختلافی بیان یعنی اسماعیل بن امیہ کو محمد بن یوسف سے پہلے اکیس کی روایت پہنچی تھی اب وہ گیارہ بیان کر رہے ہیں)

اوراس قدر یقینی طور پر پہنچنا کہ اسکے خلاف سننے سے حیرانی ہو یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ **ان کے پاس معتبر ثقۃ راوی سے محمد بن یوسفؒ کی ۲۱ والی روایت پہنچی ہو۔**

---

(۸) حضرت عمر بن خطابؓ (م۲۳ھ) بھی مشہور صحابی اور خلیفہ راشد ہیں۔(تقریب)

لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔

الغرض کفایت صاحب کے ارشاد کی روشنی میں معلوم ہوا کہ محمد بن یوسفؒ کی ۲۱ والی روایت میں اسماعیل بن امیہؒ بھی داود بن قیسؒ اور دوسرے رواۃ کی تائد کررہے ہے۔لہذا کفایت اللہ صاحب داود بن قیسؒ کی روایت کو منکر بتاکر ضعیف قرار دینا مردود ہے۔[27]

[27] امام عبدالرزاق الصنعانیؒ (م۲۱۱؁ھ) فرماتے ہیں کہ: "عن **داؤد بن قیس وغیرہ**، عن محمد بن یوسف، عن السائب بن یزید، ان عمر ﷺ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب، وعلی تمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ۔" محمد بن یوسفؒ نے سائب بن یزیدؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور تمیم داریؓ (کی امامت) کے ساتھ ۲۱/رکعت پر جمع کیا ہے، (جس میں ۲۰/رکعت تراویح ہے)۔ (مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث:۷۷۳۰) اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے ہیں اور یادرہے کہ: امام عبدالرزاق نے یہ روایت داؤد بن قیسؒ (ثقہ) کے علاوہ، دوسرے لوگوں کو بھی بیان کی ہے ، جیسا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ : "**داود بن قیس وغیرہ**"۔

کفایت صاحب کا اس پر یہ اعتراض کرنا کہ مصنف عبدالرزاق کی یہ حدیث ضعیف ہے، بالکل غلط ہے، اس حدیث کو مصنف کے زمانہ سے لے کر آج تک کسی بھی محدث نے ضعیف نہیں کہا ہے۔

بلکہ خود سلفی علماء نے بھی اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے اور اس حدیث کو معتبر مانا ہے: مثال کے طور پر:

(۱) مصر کے مشہور سلفی عالم شیخ مصطفی العدوی نے بھی اپنی کتاب میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (عدد رکعات قیام اللیل / ۳۹))

(۲) شیخ ابن بازؒ کے شاگرد، شیخ عبداللہ بن محمد الدویشؒ نے اپنی کتاب تنبیہ القاری میں اس حدیث کو معتبر مانا ہے۔ (ج۱: ص ۴۱، حدیث نمبر ۵۸)

(۳) اسی طرح شارح بخاری، حافظ ابن حجرؒ، جن کا انتقال ۸۵۲ھ میں یعنی ۵۸۶ پہلے ہوا ہے، اور انہیں فرقہ اہل حدیث والے بھی اپنا سلف مانتے ہیں ان کا قول اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں، انہوں نے بھی اپنی مشہور زمانہ بخاری کی شرح فتح الباری میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے یعنی اس کو صحیح یا ضعیف نہیں کہا ہے، اور خود کفایت اللہ صاحب ابن حجرؒ کے سکوت کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح یا کم از کم حسن ہے۔ (انوار البدر / ۱۴۵) اسی طرح عبدالمنان نورپوری نے بھی یہ بات کہی ہے۔ (تعداد تراویح ۲۲۷)

اسی طرح کفایت صاحب کا مصنف عبدالرزاق کی اس حدیث پر یہ دو اعتراض بھی درست نہیں کہ :

(۱) یہ روایت اسحاق بن ابراہیم الدبری کے واسطے سے ہے، اور انہونے عبدالرزاقؒ سے اختلاط کے بعد سنا ہے۔

(۲) امام عبدالرزاقؒ آخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا، اسلئے ان کی یہ حدیث معتبر نہیں۔ یہ دونوں اعتراض اس لئے صحیح نہیں کیونکہ : جو حدیث امام عبدالرزاقؒ کی کتابوں میں ہے اس کے بارے میں یہ دونوں اعتراض محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ کیونکہ امام الحافظ مسلمہ بن قاسمؒ (م۳۵۳؁ھ)، حافظ الذہبیؒ (م۷۴۸؁ھ)، حافظ صلاح الدین الصفدیؒ (م۷۶۴؁ھ) اور حافظ قاسم بن قُطْلُوْبَغَا ﷺ (م۸۷۹؁ھ) نے وضاحت فرمائے ہیں کہ **الدبریؒ نے مصنف کو امام عبدالرزاق الصنعانیؒ (م۲۱۱؁ھ) سے اختلاط سے پہلے سنا ہے۔ ان کا ان سے سماع صحیح ہے۔** (کتاب الثقات للقاسم بن قُطْلُوْبَغَا: ج ۲ : ص ۳۰۰، تاریخ الاسلام للذہبی : ج۶: ص۱۴۷، سیر أعلام النبلاء للذہبی : ج۱۳: ص۴۱۶، الوافی بالوفیات للصفدی : ج۸ : ص ۲۵۶) امام احمد بن حنبلؒ جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں فرماتے ہیں: "من سمع من الکتب فھو اصح"۔ یعنی جس نے امام عبدالرزاق کی کتابوں سے (حدیث) سنی ہے وہ زیادہ صحیح ہے: (تہذیب التہذیب (۶/۳۱۲) تہذیب الکمال (۱۸/۵۸) تاریخ دمشق (۳۶/۱۸۲)

اور یہ حدیث امام عبدالرزاق کی مشہور کتاب مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے۔ معلوم ہوا محمد بن یوسف سے اکیس رکعت تراویح ثابت ہے جسے اسماعیل بن امیہؒ، داؤد بن قیس اور دوسرے محدثین نے صحیح سند سے نقل کیا ہے۔

ابن امیہؒ کی ٹوکنے کی صحیح وجہ :

اسماعیل ابن امیہؒ (م۱۴۴ھ) کے ٹوکنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کے استاذ محمد بن یوسفؒ کو تعداد رکعات صحیح طرح یاد نہیں تھی۔اس لئے ان کے شاگرد نے ان کو ٹوک دیا۔چنانچہ ڈاکٹر شیخ کمال قالمی نے اپنے رسالے ''فصل الخطاب '' میں کہتے ہیں کہ:

فهذا النص يشعر بأن محمد بن يوسف لم يكن بذاك الضابط المتقن للعدد، ولذلك جعل إسماعيل بن أمية يراجعه ويستوثقه بقوله: «أو واحد وعشرين وكأنّه سمع ذلك من غيره.

اس نص (دلیل) سے پتہ چلتاہے کہ محمد بن یوسفؒ کو تعداد صحیح طرح یاد نہیں تھی۔اس لئے ان کے شاگرد نے ان کو ٹوک دیا۔ (فصل الخطاب في بيان عدد ركعات صلاة التراويح في زمن عمر بن الخطاب رضي الله عنه للشيخ دكتور كمال قالمي) اور یہ بات روایت سے صاف طور سے معلوم ہورہی ہے۔اور اس کا انکار کفایت اللہ نے محض اپنے مسلک کے تعصب میں کیا ہے، جو کہ باطل ومردود ہے۔

اور حافظ المغرب امام ابن عبد البرؒ (م۴۶۳ھ) نے بھی محمد بن یوسفؒ کی ۸ رکعت کی روایت کو غلط (وہم اور ضعیف) قرار دیا ہے۔**(الاستذکار: ص۱۵۶ج۵)**[28]

ابن یوسفؒ کے دفاع کی ناکام کوشش :

جب اس روایت سے محمد بن یوسفؒ کا تعداد رکعات صحیح طرح یاد نہ ثابت ہوگیا۔تو ابن یوسفؒ کے دفاع کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں : محمد بن یوسف نے اس سے (یعنی ۲۱ رکعات سے) برآت ظاہر کردی ہے۔ اور ''لقد سمع ذلک ابن السائب بن یزید بن خصیفة'' سے دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں: (جب ابن امیہؒ نے ابن یوسف کو ٹوکا کہ '۱۱ رکعات یا ۲۱ رکعات) اس پر ان کے استاذ نے بتلایا کہ ۱۱ ہی رکعات اور ۲۱ اکیس والی تعداد تو دوسرے صاحب یزید بن خصیفہ بیان کرتے ہیں۔(مسنون رکعات تراویح :ص۷۰)

الجواب:

محمد بن یوسفؒ نے کہا :'' لقد سمع ذلک من السائب ابن خصیفة'' یعنی یقینا وہ بات سائب بن یزیدؓ سے یزید بن خصیفہؒ نے سنی ہے ۔اس جملہ میں ایک لفظ ہے **''لقد''** جس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ لفظ بہت ہی زیادہ تاکیداور مضبوطی بتانے کیلئے آتا ہے۔

سعودی عرب سے تعلق رکھنے والے مشہور عالم شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ جنہیں فرقہ اہل حدیث والے بھی اپنا امام مانتے ہیں ، وہ فرماتے ہیں :(لقد کے ساتھ کہا گیا) یہ جملہ تین تاکیدوں کے ذریعہ مضبوط اور موکد کیا گیا ہے ایک '' لام '' دوسری '' قد '' اور تیسری تاکید

[28] ان کے الفاظ یہ ہیں : وقد روى مالك عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة وهذا كله يشهد بأن الرواية بإحدى عشرة ركعة وهم وغلط وأن الصحيح ثلاث وعشرون وإحدى وعشرون ركعة والله أعلم۔ یادرہے کہ حافظ المغرب امام ابن عبد البرؒ (م۴۶۳ھ) کی یہ عبارت اورہے اور کفایت اللہ صاحب نے امام ابن عبد البر کی جس عبارت کا جواب دیاہے، وہ اورہے (مسنون رکعات تراویح:ص۸۳) ۔لہذا اس سے دھوکا نہ کھائے۔

"قسم محذوف " یعنی چھپی ہوئی قسم۔(تفسیر العثیمین ، سورۃ الکھف ، آیت /۴۸) یعنی لقد کا ترجمہ اس طرح ہونا چاہیے کہ اللہ کی قسم ، یقینا و قطعاً۔

اسی طرح اس جملہ میں ایک لفظ ہے **" ذلک "** اسے عربی لغت میں 'اسم اشارہ بعید' کہا جاتا ہے۔(مصباح اللغات/۲۵۹) فرقہ اہل حدیث کے امام جناب ابن عثیمینؒ { ذلک الکتاب لا ریب فیه} کی تفسیر میں فرماتے ہیں : ذا ، اسم اشارہ ہے اور لام بُعد کیلئے ہے ، پس جس چیز کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے وہ دور ہو تو اس لام کو لاتے ہیں جسے ہم لام بُعد کہتے ہیں۔(تفسیر العثیمین ،البقرۃ)

یعنی لفظ **" ذلک "** کسی دور کی چیز کی طرف اشارہ کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ، چاہے وہ چیز حقیقت میں دور ہو یا اس کی عظمت و اہمیت بتانے کیلئے اسے اس طرح تعبیر کیا جائے ، جس کا ترجمہ عام طور سے **" وہ "** سے کیا جاتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ محمد بن یوسفؒ اپنے اس جملہ میں **"ذلک "** سے کس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں ؟

ہمارا کہنا ہے کہ اس جملہ میں **" ذلک "** سے گیارہ رکعت کی طرف اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں۔

اس صورت میں "لقد سمع ذلک من السائب ابن خصیفه "کا ترجمہ یہ ہوگا کہ یقینا یزید بن خصیفہ نے بھی حضرت سائبؓ سے گیارہ رکعت ہی سنی ہے۔(یعنی میری طرح انہوں نے بھی گیارہ ہی سنی ہے اکیس نہیں)

جبکہ فرقہ اہل حدیث کے کفایت اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ یہاں ذلک سے اکیس رکعت کی طرف اشارہ ہے۔

لہٰذا ان کے نزدیک "لقد سمع ذلک من السائب ابن خصیفه" کا ترجمہ یہ ہیں کہ اس طرح کی بات(یعنی اکیس رکعت کی بات) ابن خصیفہ حضرت سائبؓ سے سنی ہے۔

تنبیہ : کفایت اللہ صاحب نے یہاں پر 'لقد' کا ترجمہ ہی حذف کردیاہے۔لیکن اگر ہم 'لقد' کے ترجمہ اور 'ذلک' سے مراد اکیس رکعت لے جیسا کہ کفایت اللہ صاحب مانتے ہیں تو ترجمہ یہ ہوگا کہ '' لقد سمع ذلک من السائب ابن خصیفه '' قطعاً و یقینا اس طرح کی بات(یعنی اکیس رکعت کی بات) ابن خصیفہ نے حضرت سائبؓ سے سنی ہے۔

توجب کفایت اللہ صاحب کے نزدیک محمد بن یوسفؒ نے خود ہی یہ کہہ دیا کہ حضرت سائبؓ سے ابن خصیفہؒ نے اکیس رکعت سنی ہے اور وہ بھی بہت ہی تاکید کے ساتھ،تو اتنی بات تو معلوم ہوئی کہ ابن یوسفؒ خود ہی مان رہے ہیں کہ حضرت سائبؓ نے اکیس رکعت بیان کی تھی ،تب ہی تو خدا اللہ کی قسم کھاکر[29] اور اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ قطعاً و یقینا یزید بن خصیفہؒ نے اکیس رکعت سنی ہے۔

اتنی زیادہ تاکید سے کہنا خود بتاتا ہے کہ **سائبؓ نے کہا تھا اور ابن خصیفہؒ نے خوب اچھی طرح اور صحیح سنا تھا۔**[30]

---

[29] جیسا کہ سلفی عالم ابن عثیمینؒ نے "لقد" کی تفسیر فرمائے ہے۔

محمد بن یوسفؒ جن کو کفایت اللہ صاحب بہت ہی زیادہ اور انتہائی اعلیٰ درجہ کا ثقہ اور حافظ راوی مانتے ہیں ، بلکہ دو عظیم محدثین کے حوالہ سے انہیں ثقہ ہونے کی ڈبل ڈگری دی ہے ،وہ عظیم ترین محدث **محمد بن یوسفؒ** اللہ کی قسم کھاکر اور **" لام "** اور **"قد "** کی دوہری تاکید کے ساتھ یہ بات نقل کر رہے ہیں کہ اللہ کی قسم ، قطعاً و یقینا حضرت سائبؓ سے یزید بن خصیفہؒ نے اکیس رکعت سنی ہے۔

توجس طرح پہلے کفایت صاحب کے ارشاد کی روشنی میں معلوم ہوا تھا کہ محمد بن یوسفؒ کی ۲۱ والی روایت میں اسماعیل بن امیہؒ بھی داود بن قیسؒ اور دوسرے رواۃ کی تائد کرہے ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کفایت صاحب کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی عظیم ترین ثقہ راوی محمد بن یوسفؒ کی گواہی سے 'کہ اللہ کی قسم ، قطعاً و یقینا حضرت سائبؓ سے یزید بن خصیفہؒ نے اکیس رکعت سنی ہے ' اسماعیل بن امیہؒ کی طرح یزید بن خصیفہؒ بھی مصنف میں موجود محمد بن یوسف کی ۲۱ والی د اود بن قیسؒ اور دوسرے رواۃ کی روایت کی تائد کرہے ہے۔تو کفایت اللہ صاحب کے اپنے ارشاد کی روشنی میں ان کا داود بن قیسؒ کی روایت کو منکر بتاکر ضعیف قرار دینا مردود ہے۔

اسی کو کہتے ہیں: 'الحق بما شھدت بہ الاعداء 'یعنی حق تو وہ ہے جس کے حق ہونے کی گواہی دشمن بھی دیدے۔

کفایت اللہ صاحب نے اس حق گوئی سے بچنے کیلئے "لقد " کا ترجمہ ہی اڑا دیا ، مگر حق بات ان کے منہ سے نکل کر رہی۔

کفایت اللہ صاحب کا 'ذلک' سے ۲۱ رکعات مراد لینا صحیح نہیں ہے :

ہم جو ذلک سے گیارہ رکعت کی طرف اشارہ مان رہے ہیں اس کی ۲ وجہ ہے :

پہلی وجہ : استاد (محمد بن یوسفؒ) کا جملہ جو پہلے ہے اس میں گیارہ ہے اور شاگرد (' اسماعیل بن امیہؒ) کا جملہ جو بعد میں ہے اس میں اکیس ہے ،(اور پہلے ہم بتاچکے ہیں کہ ذلک سے دور کی طرف اشارہ ہوتا ہے)لہذا یہاں بھی گیارہ کی طرف اشارہ ہے(اسلئے کہ وہ اکیس کے جملہ کے مقابلہ میں دور ہے)

دوسری وجہ: محمد بن یوسف ، یزید بن خصیفہ کو اپنا سپورٹر بتارہے ہیں ، کہ میری طرح وہ بھی گیارہ ہی بیان کرتے ہیں۔

اس دوسری وجہ کی وضاحت :

شاگرد کے اعتراض کرنے پر کہ گیارہ رکعت یا اکیس رکعت ؟ استاد محمد بن یوسفؒ اپنے شاگرد اسماعیل بن امیہؒ کو یہ کہہ رہے ہیں کہ جو گیارہ رکعت میں نے حضرت سائبؓ کے حوالہ سے بیان کی ہے یہی گیارہ رکعت یزید بن خصیفہ نے بھی حضرت سائبؓ سے سنی ہے ، اس لئے تم مجھ پر اعتراض نہ کرو ،یزید بن خصیفہ بھی میری تائید اور سپورٹ میں ہیں۔

---

[30] اس پر کفایت اللہ صاحب ایک اعتراض کرتے ہے کہ لیکن(ابن یوسفؒ نے) یہ ہرگز نہیں کہا کہ(ابن خصیفہؒ نے) صحیح طور پرسنا ہے۔یعنی کفایت اللہ صاحب کہنا چاہتے ہیں کہ محمد بن یوسفؒ نے صرف اتنا کہا کہ ۲۱ والی بات تو ابن خصیفہؒ نے حضرت سائبؓ سے سنی ہے۔لیکن ابن یوسفؒ نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ابن خصیفہؒ نے ۲۱ والی بات صحیح طور پرسنا ہے۔اس بے تکے اعتراض کا جواب اگے آرہا ہے۔

یہ جملہ محمد بن یوسفؒ نے قسم کھا کر اور بہت ہی زیادہ تاکید کے ساتھ کہا کہ **یقینا وقطعاً** وہ ۱۱ رکعات والی بات یزید بن خصیفہ نے سائبؓ سے سنی ہے۔

کسی کے زہن میں یہ سوال ہوگا کہ یہ جملہ انہوں نے اتنی زیادہ تاکید کے ساتھ کیوں کہا؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ وہ بہت ہی تاکید کے ساتھ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ گیارہ رکعت بتانے میں میں تنہا نہیں ہوں بلکہ ابن خصیفہ بھی میرے ساتھ ہیں، **جب انسان کسی کو اپنا حمایتی بتاتا ہے تو پوری قوت کے ساتھ یہ بات کہتا ہے کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں فلاں شخص بھی یقینا اس بات میں میرا حمایتی اور سپورٹر ہے۔**

پس محمد بن یوسفؒ بھی اپنے شاگرد اسماعیل بن امیہ سے کہہ رہے ہیں میرے ساتھی ابن خصیفہ بھی گیارہ بیان کرنے میں میری حمایت ہی کرینگے ، انہوں نے بھی یقینا ہمرے استاد حضرت سائبؓ سے گیارہ رکعت ہی سنی ہے۔

ورنہ اگر محمد بن یوسفؒ صرف اتنا کہنا چاہ رہے ہوتے (جیسا کہ کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں) کہ اکیس رکعت والی بات میں نے نہیں ابن خصیفہ نے حضرت سائبؓ سے سنی ہے ، **تو یہ بات کوئی اتنا زیادہ زوردے کر کہنے کی نہیں ہے ، عام بول چال میں بھی یہ جملہ زیادہ زور دے کر نہیں کہا جاتا ہے کہ یہ بات میں نے نہیں انہوں نے سنی ہے۔**

لہٰذا معلوم ہوا یہاں ذلک سے گیارہ رکعت کی طرف اشارہ ہے ، اور محمد بن یوسفؒ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ ابن خصیفہؒ نے بھی گیارہ رکعت ہی سنا ہے۔

'ذلک' سے اکیس ماننے سے (جیسا کہ کفایت اللہ صاحب نے مانا ہے) کیا خرابی لازم آتی:

اصل میں محمد بن یوسفؒ کو تعداد بیان کرنے میں اضطراب ہوگیا تھا (یعنی تعداد الگ الگ بیان کرتے تھے جیسا کہ ابھی اوپر گذرا) انہوں نے پہلے گیارہ رکعت بیان کی پھر بعد میں رجوع کرلیااور اکیس رکعت کہا (جسے آگے ہم ثابت کریں گے) تو اس میں غلطی کی نسبت انہیں کی طرف ہو رہی ہے ، کہ ان سے بھول ہوگئی پہلے گیارہ کہا تھا پھر اکیس کہا ، صحابیؓ کے حافظہ پر آنچ نہیں آرہی ہے۔

مگر فرقہ اہل حدیث کے ریسرچر کفایت اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ اس جملہ میں " ذلک" سے اکیس رکعت کی طرف اشارہ ہے۔

یعنی استاد محمد بن یوسفؒ اپنے شاگرد اسماعیل بن امیہؒ کو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ جو اکیس رکعت کی بات کر رہے ہو وہ بات اللہ کی قسم یقینا وقطعاً حضرت سائبؓ سے یزید بن خصیفہؒ نے سنی ہے۔

مگر ہمارے نزدیک کفایت اللہ صاحب کا یہاں ذلک سے اکیس رکعت مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ :

اس سے صحابی رسول کے حافظہ پر سوال اٹھنے لگے گا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھی جانے والی نماز تراویح کی رکعات کی تعداد کسی کو گیارہ رکعت بتائی اور کسی کو اکیس رکعت۔

کفایت اللہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں محمد بن یوسفؒ نے گیارہ رکعت بیان کی ،جب ان سے سوال ہوا کہ گیارہ یا اکیس تو انہوں نے کہا :سائبؓ سے ابن خصیفہؒ نے یقینا اکیس سنی ہے ، گویا صحابی رسول حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما نے دو الگ الگ باتیں بیان کیں ، محمد بن یوسف کو گیارہ بیان کیا اور ابن خصیفہؒ کو اکیس۔

یہ معنی لینے کی وجہ سے جب کفایت اللہ صاحب پر اعتراض ہوا کہ آپ صحابیؓ کے حافظہ پر کلام کر رہے ہو،توکہنے لگے محمد بن یوسف نے یہاں صرف یہ کہا ہے کہ ایسا ابن خصیفہ نے سنا ہے **لیکن یہ ہرگز نہیں کہا کہ صحیح طور پرسنا ہے۔**

عجیب بے تکی بات ہے ، کیا جب بھی کوئی راوی کسی کے حدیث سننے کا تذکرہ کرتا ہے تو کیا یہ بھی کہتا ہے کہ اس نے صحیح سنا ہے ؟

کیا بخاری ومسلم کی سند میں ہر راوی اپنے استاد کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ انہوں نے فلاں سے سنا ہے اور صحیح سناہے؟ لہذا کفایت صاحب کا اعتراض باطل اور مردود ہے۔نیز اگر محمد بن یوسفؒ صرف اتنا کہنا چاہ رہے ہوتے (جیسا کہ کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں) کہ اکیس رکعت والی بات میں نے نہیں ابن خصیفہ نے حضرت سائبؓ سے سنی ہے ، **تو یہ بات کوئی اتنا زیادہ زوردے کرکہنےوالے بات بھی نہیں ہے ، عام بول چال میں بھی یہ جملہ زیادہ زور دے کر نہیں کہا جاتا ہے کہ "یہ بات میں نے نہیں انہوں نے سنی ہے۔"**

پھر اگر ہم 'ذلک' سے مراد اکیس رکعت لےجیسا کہ کفایت اللہ صاحب مانتے ہیں تو اس سےابن خصیفہؒ بھی مصنف میں موجود محمد بن یوسف کی ۲۱ والی داود بن قیسؒ اور دوسرے رواۃ کی روایت کی تائد کرےنگے جیسا کہ تفصیل اپر گذرچکی۔الغرض کفایت صاحب کا'ذلک' سے ۲۱ مراد لینا مردود ہے۔

کفایت صاحب کا ابن خصیفہؒ کے لفظ'حسبت' پر اعتراض:

اسماعیل بن امیہؒ کہتے ہیں کہ جب محمد بن یوسفؒ نے یہ کہا کہ یزید بن خصیفہؒ نے وہ روایت حضرت سائبؓ سے سنی ہے، "**سألت یزید بن خصیفة فقال حسبت ان السائب قال احدی وعشرین**" تو میں ابن خصیفہؒ سے معلوم کیا، تو انہوں نے کہا کہ " **حسبت** " میرا گمان ہے کہ حضرت سائبؓ نے اکیس رکعات بیان کی تھی۔

یزید بن خصیفہ کے اس جملہ پر کہ " **میرا گمان ہے** "کفایت اللہ صاحب نے کہا کہ ان کی بیان کی ہوئی تعداد (اکیس رکعات) مشکوک ہے، یعنی اس میں شک ہے کہ انہوں نے صحیح کہا ہے یا نہیں۔

الجواب:

جہاں تک "حسبت" میرا گمان ہے، کہنا ہے تو بہت سی مرتبہ راوی احتیاط کے طور پر ایسا کہہ دیتا ہے،ورنہ حقیقت میں اسے شک نہیں ہوتا۔

مثلاً سنن ابن ماجہ کی روایت ہے، صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ خود حسبت کے لفظ سے حدیث بیان کر رہے ہیں: عن انس بن مالک ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ: من کذب علیّ۔ حسبته قال: متعمدا۔ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔(سنن ابن ماجہ / رقم الحدیث ۳۲)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جس نے مجھ پر جھوٹ بولا ، (میرا گمان ہے کہ) آپ ﷺ نے فرمایا وہ جان بوجھ کر ایسا کرے ، تووہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ دیکھئے یہاں خود صحابی احتیاط کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ میرا گمان ہے آپ ﷺ نے ایسا کہا۔

نیز ابن ماجہ کے علاوہ حضرت انس بن مالک سے یہی روایت اکثر مقامات پر بالجزم آئی ہے۔ مثلا

مسند ابن الجعد کے الفاظ : حدثنا أحمد بن إبراهيم العبدي، نا عثمان بن عمر، نا شعبة، عن حماد قال: سمعت أنس بن مالك يقول: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: ن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار۔

مسند ابن الجعد کی دوسری سند کے الفاظ : حدثنا علي، أنا شعبة، أخبرني عتاب قال: سمعت أنس بن مالك يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار۔(مسند ابن الجعد: حدیث نمبر : ۳۳۷، ۱۴۸۰)

مسند احمد میں بھی ۷ سندوں سے حضرت انس بن مالک سے یہی روایت بالجزم آئی ہے۔اسی طرح البحر الزخار، الكنى والأسماء للدولابي، شرح مشكل الآثار، صحيح ابن حبان، طرق حديث من كذب علي متعمدا للطبراني، المعجم الأوسط للطبرانی، مسند أبي يعلى، صحيح مسلم، سنن الدارمي، السنن الكبرى للنسائي وغیرہ کتابوں میں حضرت انس بن مالک سے یہی روایت بالجزم آئی ہے۔

تو تمام روایتوں کو سامنے رکھ کر یہی کہاجائے گا کہ یہاں ابن ماجہ کی روایت میں صحابی نے احتیاط کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ میرا گمان ہے آپ ﷺ نے ایسا کہا۔نہ کہ شک کے طور پر۔

بلکل اسی طرح یہاں فوائد ابو بکر النیشاپوری کی روایت میں بھی یزید بن خصیفہؒ نے احتیاط کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت سائبؓ نے اکیس رکعات بیان کی تھی۔اور کفایت اللہ صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ ابن خصیفہ نے بعض دفعہ بالجزم بیان کیا ہے۔(مسنون رکعات تراویح /۷۲)

نوٹ : ہم کہتے ہیں کہ بعض جگہ نہیں بلکہ فوائد ابو بکر النیشاپوری کے علاوہ ہر جگہ ابن خصیفہؒ نے اسے بالجزم بیان کیا ہے۔

مسند ابن الجعد کے *الفاظ*: حدثنا علي، أنا ابن أبي ذئب، عن يزيد بن خصيفة، عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان بعشرين ركعة، وإن كانوا ليقرءون بالمئين من القرآن۔(حدیث نمبر ۲۸۲۵)

فضائل الأوقات للبيهقي کے الفاظ: أخبرنا أبو عبد الله الحسين بن محمد بن الحسين الدينوري، حدثنا أحمد بن محمد بن إسحاق السني، حدثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزيز، حدثنا علي بن الجعد، حدثنا ابن أبي ذئب، عن يزيد بن خصيفة، عن السائب بن يزيد، قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة، قال: وكانوا يقرءون بالمائتين، وكانوا يتوكئون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان من شدة القيام۔ (حديث نمبر ۱۲۷)

السنن الصغير للبيهقي کے الفاظ: أخبرنا أبو طاهر الفقيه، أنا أبو عثمان عمرو بن عبد الله البصري، نا محمد بن عبد الوهاب، أنا خالد بن مخلد، نا محمد بن جعفر، حدثني يزيد بن خصيفة، عن السائب بن يزيد، قال: كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه بعشرين ركعة والوتر۔ (حديث نمبر ۸۲۱)

الصيام للفِريابِي کے الفاظ: حدثنا تميم بن المنتصر، أخبرنا يزيد بن هارون، حدثنا ابن أبي ذئب، عن ابن خصيفة، عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في ا رمضان عشرين ركعة، ولكن كانوا يقرءون بالمائتين في ركعة حتى كانوا يتوكئون على عصيهم من شدة القيام۔ (حديث نمبر ۱۷۶)[31]

---

[31] درج ذیل محدثین نے بیس رکعات تراویح کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

۱ - امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ)۔ (خلاصۃ الاحکام للنووی ۱/۵۷۶)
۲ - امام فخر الدین الزیلعیؒ (م ۷۴۳ھ)۔ (تبیین الحقائق ۱/۱۷۸)
۳ - امام تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵۶ھ)۔ (شرح المنہاج للسبکی بحوالہ المصابیح، صفحہ /۴۱)
۴ - امام ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ)۔ (البدر المنیر لابن الملقن ۴/۳۵۰)
۵ - امام ولی الدین العراقیؒ (م ۸۲۶ھ)۔ (طرح التثریب للعراقی ۳/۹۷)
۶ - امام بدر الدین العینیؒ (م ۸۵۵ھ)۔ (العنایہ للعینی ۲/۵۵۱)
۷ - امام جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)۔ (المصابیح للسیوطی، صفحہ /۲۸، ۳۰)
۸ - امام قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ)۔ (ارشاد الساری ۳/۴۲۶)
۹ - امام، شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ (م ۹۲۶ھ)۔ (فتح الوھاب، للامام زکریا الانصاری ۱/۵۸)
۱۰ - محدث ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ)۔ (شرح النقایہ للامام ملا علی قاری ۱/۳۴۱)
۱۱ - حافظ محمد مرتضیٰ زبیدیؒ (م ۱۲۰۵ھ)۔ (اتحاف سادات المتقین للزبیدی ۳/۴۱۵)
۱۲ - امام نیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ)۔ (آثار السنن /۲۵۱)

بلکہ بہت سے اہل حدیث علماء نے بھی اس کو صحیح کہا ہے، جیسے مثلاً:
(۱) کفایت اللہ صاحب کے امیر المؤمنین فی اسماء الرجال اور ذہبی زماں شیخ یحیٰ امعلمیؒ نے بھی اپنی کتاب قیام رمضان صفحہ ۵۷ پر صحیح کہا ہے۔
(۲) شیخ ابن بازؒ کے شاگرد، سلفی عالم شیخ عبد اللہ الدویشؒ نے اس کی سند کے تمام راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھئے (تنبیہ القاری ۵/۴۲)
(۳) سید محب اللہ شاہ راشدی صاحب نے کہا کہ اس کی سند ٹھیک ہے۔ دیکھئے (مقالات راشدیہ ۱/۱۸۴)
(۴) سلفی عالم مصطفی العدوی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ (بحث فی عدد رکعات قیام اللیل /۳۶)
(۵) مشہور اہل حدیث عالم غلام رسول گوجرانوی نے اس کی سند کو صحیح کہا۔ (رسالہ تراویح)

لہذا تمام روایتوں کو سامنے رکھ کر یہی کہا جائے گا کہ یہاں فوائد ابو بکر النیشاپوری کی روایت میں بھی یزید بن خصیفہؒ نے احتیاط کے طور پر کہا ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت سائبؓ نے اکیس رکعات بیان کیا۔ نہ کہ شک کے طور پر۔

تو کفایت صاحب کا اسے مشکوک قرار دینا اور یا ان کی رٹ 'کہ ابن خصیفہ کو تعدادِ رکعات پر پوری طرح وثوق نہیں تھا' **باطل اور مردود ہے۔**

اگر (حسبت) یعنی 'میرا خیال' کہنے سے روایت مشکوک ہوجاتی ہے تو بخاری اور مسلم سے دس سے زیادہ مثال دی جاسکتی ہے کہ راوی "حسبت "کا لفظ استعمال کرتے ہوئے حدیث بیان کرتا ہے ، مثال کے طور پر دیکھئے بخاری شریف کی حدیث نمبر (۴۵۰) :

حدثنا يحي بن سليمان، حدثني ابن وهب، اخبرني عمرو، أن بكيراً، حدثه أن عاصم بن عمر بن قتادة حدثه، أنه سمع عبيد الله الخولاني، أنه سمع عثمان بن عفان ﷺ، يقول عند قول الناس فيه حين بني مسجد رسول الله ﷺ: إنكم أكثرتم، وإني سمعت النبي ﷺ يقول: "من بنى مسجداً -قال بكير: حسبت أنه قال: يبتغي به وجه الله- بنى الله له مثله في الجنة۔

اس حدیث میں ایک راوی بکیر 'حسبت' کہہ رہے ہیں کہ میرا خیال ہے میرے استاد نے یہ جملہ 'یبتغی بہ وجہ اللہ' بھی کہاہے ، اور بقول شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجرؒ جن کو فرقہ اہل حدیث والے بھی اپنا سلف مانتے ہیں،ان کا قول ہے کہ اس حدیث کی کسی سند میں یہ اضافہ نہیں ہے یعنی بکیر اس جملہ کو بڑھانے میں منفرد اور ہیں ،مگر اس کے باوجود امام بخاریؒ کو ان کی حدیث کے صحیح ہونے میں شک نہیں ہے اسی لئے وہ اسے اپنی کتاب میں اسے بیان کر رہے ہیں۔ اسی طرح دیکھئے بخاری شریف کی یہ حدیثیں (۱۳۷) (۷۴۵) (۲۲۶۷)(۲۳۶۴)(۳۰۰۵) وغیرہ۔

کیا ان تمام راوی کا حافظہ کم زور ہو گا ، اور کیا ان کی بیان کی ہوئی بخاری کی حدیثوں میں شک ہوگا؟ ہرگز نہیں ،بلکہ بعض مرتبہ راوی احتیاط کے طور پر میرا خیال ہے کا لفظ استعمال کرلیتا ہے ، جس کی وجہ سے اس کی وہ روایت ہرگز ضعیف نہیں ہوجاتی۔

---

(۶) مملکت عربیہ سعودیہ کے دار الافتاء کے ریسرچر شیخ اسماعیل بن محمد الانصاری اپنی کتاب میں (جس کا نام ہی انہوں نے رکھا ہے "بیس رکعت تراویح کی حدیث کو صحیح ثابت کرنا اور البانیؒ پر رد کرنا جنہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے ")لکھتے ہیں: " اس حدیث کو صحیح کہا ہے ، نووی نے اپنی کتاب الخلاصہ اور مجموع میں ، اور زیلعی نے نصب الرایہ میں ان کی تصحیح کو مانا ہے ، اور اس حدیث کو صحیح کہا ہے سبکی نے شرح المنہاج میں ، ابن العراقی نے طرح التثریب میں ، عینی نے عمدۃ القاری میں ، سیوطی نے المصابیح فی صلاۃ التراویح میں ، علی القاری نے شرح المؤطا میں اور نیموی نے آثار السنن میں۔
مگر اس سب کے برخلاف البانیؒ نے تراویح کے بارے میں اپنی کتاب میں گیارہ رکعت پر اضافہ کرنے کا انکار کیا ہے ، مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کی تقلید میں ، اور اس حدیث کو ضعیف کہا ہے "۔دیکھئے (تصحیح حدیث صلاۃ التراویح عشرین رکعۃ ، ص/۷)
اس سے کئی چیزیں معلوم ہوئیں :
(۱) سعودیہ کے دارالافتاء کے ریسرچر کی تحقیق ہے کہ بیس رکعت تراویح کی حدیث صحیح ہے۔
(۲) شیخ البانیؒ نے اس کو مولانا مبارک پوری صاحبؒ کی تقلید میں ضعیف کہا ہے۔
(۳) شیخ البانیؒ بھی تقلید کرتے تھے۔
یاد رہے ، **یزید بن خصیفہ**ؒ کی روایت کی مطابعت موجود ہے۔ لہذا یہ روایت (صحیح) ، مضبوط اور حجت ہے ، الحمد للہ۔

اور یہاں پر ابن خصیفہؒ سے دوسری سندوں سے ان کا جزم اور یقین کے ساتھ بغیر کسی شک وشبہ کے اکیس رکعت کہنا بھی نقل کیا گیا ہے جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی، نیز ان کے متابعت میں یعنی سپورٹ میں بہت سی روایتیں موجود ہیں[32] جن کو شیخ ابن بازؒ کے شاگرد شیخ عبد اللہ الدویش نے اپنی کتاب تنبیہ القاری میں حدیث نمبر ۵۸ کے تحت ذکر کیا ہے۔

خود محمد بن یوسف نے ان کے 'حسبت' کہنے کی وجہ سے ان کی روایت کو رد نہیں کیا بلکہ اس کو اتنا معتبر مانا کہ خود اپنے گیارہ رکعت کے قول سے رجوع کرلیا۔(جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

اور اسماعیل بن امیہؒ جنہوں نے محمد بن یوسفؒ کو ۱۱ رکعات بیان کرنے پر ٹوکا تھا،انہونے بھی یزید بن خصیفہؒ کو "حسبت" اور "اکیس رکعات" کہنے پر نہیں ٹوکا۔

الغرض یہ تمام باتیں دلالت کر رہی ہیں کہ یزید بن خصیفہؒ نے یہاں پر احتیاط کے طور پر "حسبت" کہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دکتور کمال قالمی کہتے ہیں : کہ "لایضره إن شاء الله، لأن الراوي ربما قال ذلك احترازاً أو تحفظاً لا شكاً و مهما يكن فقد رواه عنه الجماعة على الجزم كما سبق" کہ ضروری نہیں ہے کہ یہ شک کے لئے استعمال کیا ہو بلکہ ممکن ہے کہ احتیاط کے لئے کہا ہو اور دیگر رواۃ نے تو بالجزم اسے روایت کیا ہے۔(فصل الخطاب في بيان عدد ركعات صلاة التراويح في زمن عمر بن الخطاب رضي الله عنه للشيخ دكتور كمال قالمي)

لیکن کفایت صاحب اپنے مسلک کو بچانے کے لئے اس کا بھی انکار کرتے ہیں جو کہ باطل اور مردود ہے۔

کفایت اللہ صاحب کی ایک اور خیانت :

جب اسماعیل بن امیہؒ پوچھ کر آئے تو ، محمد بن یوسفؒ نے کہا :" اَوْ قلتُ : لَإحدیٰ وعشرین" یعنی محمد بن یوسفؒ نے کہا: بلکہ میں (بھی یقینا ً) اکیس رکعت کہتا ہوں۔

کفایت اللہ صاحب نے اپنی کتاب مسنون رکعات تراویح : ص ۶۷-۶۸ میں یہ حدیث ذکر کی ہے **مگر آخر کا یہ جملہ " اَوْ قلتُ: لَإحدیٰ وعشرین" اڑا دیا ،حالانکہ جس مخطوطہ کا انہوں نے اپنی کتاب میں حوالہ دیا ہے اس مخطوطہ میں یہ عبارت موجود اور نظر بھی آرہی ہے۔**[33]

---

[32] دیکھئے ص: ۷۶

[33] اسکین کے لئے دیکھئے ص:۶۷

اس سے ان کی علمی امانتداری اور تحقیقی دیانتداری کا پتہ چلتا ہے، صحیح وجہ تو وہ خود ہی بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسی خیانت کیوں کی ، اپنی عوام کو دھوکہ دینا مقصد تھا، یا ان کے مسلک کے خلاف ہونے کی وجہ سے مصلحتاً ایسا کرلیا یا شیخ البانیؒ کی تقلید کر رہے تھے **کیونکہ شیخ البانیؒ نے بھی اس جملہ کو اڑادیا۔**

کفایت اللہ صاحب پر مزید تعجب اس لئے بھی ہورہاہے کہ **موصوف کو مکتبہ شاملہ میں موجود ۔"حسنت" کی جگہ "احسنت" کی غلطی نظر آئی جس سے وہ دھوکہ نہ کھانے کی ہدایت دے رہے ہے۔(مسنون رکعات تراویح : ص ۷۱-۷۲)لیکن اسی مکتبہ شاملہ میں موجود "حسنت" کے آگے لکھی ہوئی وہ عبارت جس کو کفایت اللہ صاحب نے اڑادیا ،یعنی " أوْقلتُ:لِإحدىوعشرين"کیوں نظر نہیں آیا ؟**

جو لوگ اس طرح کی عبارتیں حدیث سے حذف کرسکتے ہیں، اڑادسکتے ہیں۔کیا وہ ترجمہ میں گڑبڑی نہیں کرسکتے؟

نیز کفایت اللہ صاحب کا یہ دھوکا جب ہمارے ایک ساتھی نے ذکر کیا اور ان کی حدیث کی ترجمانی میں گڑبڑی کو بھی واضح کیا تو جواب میں کفایت اللہ صاحب نے ایک مضمون تو لکھ مارا۔لیکن انہونے " قال محمد:او قلت لاحدى وعشرين " کے الفاظ کوکیوں چھپایا،**اس کے بارے میں اپنے مضمون میں خاموشی کو ہی غنیمت جانا۔**

پھر ان کے ٹوکنے پر نہ چاہتے ہوئے اسے نقل کیا مگر اس میں تحریف کردی تاکہ معنی کچھ کا کچھ ہوجائے۔

اس جملہ(یعنی"قال محمد: او قلت لاحدی وعشرین ") میں دو لفظ ہیں ان کی بھی مختصر سی وضاحت پیش ہے :

پہلا لفظ ہے ' او 'الیف اور واو ہے۔

یہ **'أوْ'**ہو تو اس کےایک معنی ہوتا ہے' یا ' جیسے' **ہٰذا اوْ ہٰذا** 'یہ چیز یا یہ چیز ۔ دوسرے معنی ہوتا ہے ' **بلکہ** ' یعنی 'یہ نہیں بلکہ وہ' ۔خود قرآن کریم میں اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں { وارسلناه الى مائة الف اويزيدون } ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں او بلکہ کے معنی میں ہے۔(تفسیر الطبری ۲۱ /۱۱۵)

اوراگر یہ **' أوَ'**ہو تو ، اس صورت میں یہ سوال کیلئے ہوتا ہے ، جیسے **'أوَہٰذا'** یعنی کیا یہ ؟

اور کہاں پر یہ **'أوْ'**، اور کہاں **'أوَ'** پڑھنا ہے اس کو آگے پیچھے کا سینٹینس() دیکھ کر معلوم کیا جاتا ہے۔

دوسرا حرف ہے لام ہے '**ل**إحدىوعشرين' میں :

یہ لام تاکید کیلئے آتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں 'یقینا' جیسے **'لانتم'** یعنی یقینا تم۔

اوریہ بات بالکل واضح ہے کہ **جہاں سوال ہوگا وہاں یقین نہیں ہوگا اس لئے کہ سوال ہوتا ہی وہاں جہاں شک ہو ،یقینی بات معلوم نہ ہو ، اگر کوئی بات یقینی طور پر معلوم ہوتو وہاں سوال کے کیا معنی؟**

کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں یہ لفظ **" اَوْ "** نہیں بلکہ **" اَوَ "** ہے، یعنی یہ سوالیہ جملہ ہے کہ :کیا میں نے اکیس کہا ؟

پہلی بات یہ ہے کہ مخطوطہ میں کوئی اعراب لگاہوا نہیں ہے ، کفایت اللہ صاحب نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے یہ اعراب لگایا ہے ، اور عبارت کو اپنے مطلب کے مطابق بنانے کیلئے اور سچ بات کو چھپانے کیلئے **ایک حرف یعنی لام تاکید کا ترجمہ کھاگئے** ؟

اگر یہ **" اَوَ "** ہے ، یعنی محمد بن یوسف سوال کر رہے ہیں **تو احدی وعشرین پر لام تاکید کیوں ہے ؟**

کفایت اللہ صاحب کے مطابق یہ سوال توانکار کیلئے ہے،یعنی محمد بن یوسفؒ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں نے کب کہا اکیس رکعت ؟ یعنی میں نے اکیس رکعت نہیں کہا۔

اگر **" اَوَ "** کے ساتھ لام تاکید کا بھی ترجمہ کرے نگے تو بالکل بے تکا سا ترجمہ ہو گا کہ محمد بن یوسفؒ نے کہا" کیا میں نے: یقینا اکیس رکعت کہا "۔ یعنی اس ترجمہ میں محمد بن یوسف سوال بھی کر رہے ہیں کہ 'کیا میں نے کہا' اور یہ بھی کہہ رہے ہیں " یقینا اکیس رکعت " جب کہ سوال اور یقین دونوں ایک ساتھ نہیں ہوسکتے۔

اس طرح کے ترجمہ سے بچنے کے لئے کفایت اللہ صاحب نے لام تاکید کا ترجمہ ہی اڑادیااور اپنے مطلب کا ترجمہ کیا کہ محمد بن یوسفؒ نے کہا" کیا میں نے ۲۱ رکعات کہا ؟ "جو کہ باطل اور مردود ہے۔معلوم ہوا یہاں **"اَوَ"** نہیں بلکہ **"اوْ"** ہےاور لا م تاکید کوسامنے رکھتے ہوئے اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہی ہو گا کہ :**" بلکہ یقینا میں ۲۱ رکعت کہتا ہوں "۔**

خود قرآن کریم میں کلمہ **" اوْ "** 'بلکہ' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔تو محمد بن یوسفؒ جنہوں نے پہلے گیارہ رکعت بیان کی تھی ، انہوں نے ابن خصیفہؒ کی طرف سے۲۱ رکعت بات سن کر خود اپنی غلطی سے رجوع کرتے ہوئے ۲۱ رکعت کو مان لیا۔

دکتور کمال قالمی کے نزدیک بھی محمد بن یوسفؒ نے" ۱۱ رکعات" سے " ۲۱ رکعات" کی طرف رجوع کیا ہے۔[34] دیکھئے **(فصل الخطاب في بيان عدد ركعات صلاة التراويح في زمن عمر بن الخطاب رضي الله عنه للشيخ دكتور كمال قالمي)**

الغرض فوائد نیشاپوری کی اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمدبن یوسفؒ نے ۸ رکعت کی تعداد کے بارے میں غلطی ہوئی اور آخر انہوں نے ۲۰رکعت تراویح کو صحیح مانا ہے۔[35]

---

[34] ان کے الفاظ یہ ہیں : **فهذا النّص يشعر بأن محمد بن يوسف لم يكن بذاك الضابط المتقن للعدد؛ ولذلك جعل إسماعيل بن أمية يراجعه ويستوثقه بقوله: «أو واحد وعشرين» وكأنّه سمع ذلك من غيره. وفي النّص أيضاً إشارة لطيفة وهي وثوق محمد بن يوسف بحفظ يزيد بن خصيفة حينما أحال السائلَ عليه بقوله: «لقد سمع ذلك من السائب بن يزيد»**

[35] جب اس روایت سے ابن یوسفؒ کا ۲۰رکعت کی طرف رجوع ثابت ہو گیا تو غیر مقلدین نے اس حدیث میں موجود '۲۱رکعت' پر دو اعتراض کئے ہیں :

اعتراض نمبر ۱ : آپ نے ۲۱ میں سے ۲۰ رکعات تراویح اور ایک وتر مراد لی، جبکہ خود آپ کے نزدیک ایک رکعت وتر درست نہیں۔

جواب : پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ :

(۱) اس حدیث سے ہمارا مقصد وتر کی ایک یا تین رکعات سے بحث کرنا نہیں ہے ، بلکہ صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ محمد بن یوسف جو حضرت عمرؓ سے آٹھ رکعات تراویح کو نقل کرنے والے واحد راوی ہیں ، انہوں ۸ سے ۲۰ رکعات کی طرف رجوع کرلیا تھا۔

(۲) حضرت سائبؓ (م ۹۱ھ) سے اس حدیث میں ایک رکعت وتر منقول ہے ، لیکن اسی واقعہ سے متعلق دوسری حدیث میں ان سے تین رکعات وتر بھی ثابت ہے۔دیکھئے (مصنف عبد الرزاق ، حدیث ۷۷۲۷ واسنادہ صحیح)

(۳) بیس تراویح اور تین وتر کی حضرت یزید بن رومانؒ اور محمد بن عبد الرحمن بن اَبی ذئبؒ (م ۱۵۹ھ) کی روایت سے متابعت بھی ہوتی ہے۔ (موطا مالک ، حدیث /۲۸۰،مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر :۷۷۳۳) جبکہ ۲۱ رکعات نقل کرنے والے حضرت سائب تنہا ہیں ، ان کا کوئی متابع موجود نہیں۔

(۴) حضرت سائبؓ کے ساتھ ساتھ دوسرے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے بھی تین رکعات وتر ثابت ہیں۔دیکھئے (مصنف عبد الرزاق،مصنف بن ابی شیبہ ،بیہقی وغیرہ)

(۵)سلف اور محدثین نے بھی ۳ رکعات کو ہی ذکر کیا ہیں نہ کہ ایک کو۔(مجموع الفتاوی : ج۲۲ : ص ۲۷۲،ج ۲۳ : ص ۱۱۲،الکافی لابن قدامہ : ج ۱ : ص ۲۵۹،طرح التثریب : ج۳ : ص ۹۷) لہذا ۳ رکعات وتر ہی راجح ہے۔

اعتراض نمبر ۲ :

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ :

دوسری صحیح حدیث میں حضرت سائبؓ سے بیس رکعات اور وتر کے الفاظ صاف طور پر منقول ہیں۔کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطابؓ بعشرین رکعۃ والوتر یعنی ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ۲۰ رکعات (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔(معرفۃ السنن للبیہقی۴/۴۲/۵۴۰۹،السنن الصغیر للبیہقی ۱/۲۹۷۔حدیث /۸۲۱) اور خود فرقہ اہل حدیث والوں کو اصول کے مطابق ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔(زبیر علی زئی ، نور العینین ، ص۱۲۵)تو معلوم ہوا کہ ۲۱ رکعات میں ۲۰ رکعات تراویح ہے اور ایک رکعت وتر۔لہذا اعتراض باطل و مردود ہے۔

زبان سے روزے کے نیت کرنے کا حکم

مفتی ابن اسماعیل المدنی

نیت دل کے ارادہ کا نام ہے ،اور تمام عبادتوں میں اصل اعتبار اسی کا ہے۔[36] اور زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے ، اس لئے اگر کسی نے زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہہ لئے تو اس سے دل کے ارادہ میں اور پختگی پیدا ہوتی ہے۔زبان سے کہنا دل کے عمل کی دلیل ہوتی ہے۔[37] اور زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہہ لینا اس شخص کیلئے خاص طور پر مستحب ہے ، جو اپنی فکروں کی وجہ سے دل کی یکسوئی نہیں پاتا۔

اگر کسی نے زبان سے روزے کے نیت کی تو یہ **جائز ہے**۔ اور اس کے **جواز کی دلیل** یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے گھر تشریف لاتے اور سوال فرماتے کہ کچھ کھانے کو ہے ؟ اگر یہ جواب ملتا کہ نہیں ہے تو آپ ارشاد فرماتے " **فإني صائم** " پھر تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں ، اسی طرح یہ طریقہ کئی صحابہ کرام سے صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث میں منقول ہے۔[38]

اس حدیث سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ : اس حدیث کو تمام محدثین نے روزہ کی نیت کرنے کے باب میں ذکر کیا ہے۔یعنی محدثین بھی آپ ﷺ کے اس جملہ سے یہی معنی لے رہے ہیں کہ آپ ﷺ **فإني صائم** کہہ کر روزہ کی نیت کر رہے ہیں۔

تو اس حدیث سے صاف طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ اگر کسی نے دل کے ارادہ کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہہ دیئے تو یہ جائز ہے، بدعت نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ غیر مقلدین کے محدث عصر شیخ البانی ؒ 'کیا احرام کی نیت زبان سے کرنی چاہئے' کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں : نیت کی جگہ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں نیت کرے کہ وہ فلاں آدمی یا اپنے بھائی یا فلاں بن فلاں کی طرف سے حج کرہا ہے، زبان سے کہنا مستحب ہے۔

نیز شیخ البانی قیاس فرمارہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرہ کا تلبیہ زبان سے ادا کیا تھا اور صحابہ کرامؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا ، اسلئے اگر کوئی حج کی نیت دل کے ساتھ زبان سے بھی کرلے تو مستحب ہے۔(فتاوی البانیہ : ج ۱ : ص ۳۳۳)

جب غیر مقلدین کے نزدیک احرام کی نیت زبان سے کرنا مستحب ہے تو ہم دوسری عبادات کو احرام پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دوسری عبادت میں بھی زبان سے نیت کرلنا کم از کم جائز تو ضرور ہوگا۔ اس لحاظ سے بھی سحری کے وقت روزے کے نیت زبان سے کرنے کو بدعت قرار دینا مردود ہے۔

---

[36] النیۃ عمل القلب، ویتأدی بہ سائر العبادات۔(المبسوط للسرخسی ۱۴۷/۸)

[37] والتلفظ بہا مستحب إعانۃ للقلب۔(اللباب فی شرح الکتاب ۶۳/۱) لان النیۃ عمل القلب والذکر باللسان دلیل علیہا۔(بدائع ۷۱/۵)

[38] (صحیح البخاري: باب بَابُ إِذَا نَوَى بِالنَّهَارِ صَوْمًا، صحیح مسلم: ج ۲ : ص ۸۰۸)

جہاں تک نیت میں ’غداً‘ لفظ کہنا ہے ، اس کو یہاں پر کل کے معنی میں سمجھنا درست نہیں ، اور یہ کہنا کہ روزہ آج رکھ رہے ہیں اور نیت کل کی کر رہے ہیں ، یہ جہالت ہے۔

کیونکہ آنے والے دن میں روزہ رکھنے کے لئے رات میں نیت کے وقت ’غدا‘ کا لفظ استعمال کرناخد حافظ اابن تیمیہؒ اور فتاویٰ لجنہ دائمہ کے نزدیک درست ہے۔(الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ ۵/۳۷۵ ،فتاویٰ لجنہ دائمہ ۹/۲۱)

لہذا یہ اعتراض بھی باطل اور مردود ہے۔

ص٦٦ کے مضمون کاباقی حصہ

ساتویں صدی ھجری (م۶۰۱ھ تا م۷۰۰ھ) میں امام موفق الدین ابن قدامۃ (م۶۲۰ھ) فرماتے ہیں کہ ”مسألة:قال:(وقیام شهر رمضان عشرون ركعة، یعنی صلاة التراویح)وهی سنة مؤكدة“۔**(المغنی ۲/۶۰۱)** مزید فرماتے ہیں ”ثم(التراویح)وهی عشرون ركعة یقوم بها فی رمضان فی جماعة ویوتر بعدها فی الجماعة، فإذا كان له تهجد جعل الوتر بعده“۔**(المقنع ، ص ۵۸)**،امام رافعیؒ (م۶۲۳ھ) کہتے میں کہ ”صلاة التراویح عشرون ركعة بعشر تسلیمات“۔**(الشرح الکبیر للرافعی : ج۴ : ص ۲۶۴)**،امام ابن قطان الفاسیؒ (م۶۲۸ھ) رقم طراز ہیں کہ ”عشرون ركعة، عن علي رضي الله عنه، وشتير بن شكل وهو الصحيح عن أبي بن كعب من غير خلاف من الصحابة، وهو قول الجمهور“۔**(الإقناع في مسائل الإجماع:ج۱ : ص ۱۷۴)**، امام نوویؒ (م۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”اعلم ان صلاة التراویح سنة بإتفاق العلماء، وهی عشرون ركعة یسلم من كل ركعتین“۔**(کتاب الاذکار للنووی ، صفحہ ۳۱۰)** مزید فرماتے ہیں ”مذهبنا أنها عشرون ركعة بعشر تسلیمات غیر الوتر، وذلك خمس ترویحات، والترویحه أربع ركعات بتسلیمتین، هذا مذهبنا، وبه قال ابو حنیفة واصحابه، وأحمد وداؤد وغیرهم، ونقله القاضی عیاض عن جمهور العلماء“۔**(المجموع ۳/۵۲۷)** **اٹھویں صدی ھجری (م۷۰۱ھ تا م۸۰۰ھ) میں** امام ابن تیمیہؒ (م۷۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ ”فلما جمعهم عمر علی أبی بن كعب كان یصلی بهم عشرین ركعة ثم یوتر بثلاث“۔**(مجموع الفتاویٰ ۲۲/۲۷۲)** مزید فرماتے ہیں ”فإنه قد ثبت أن أبی بن كعب كان یقوم بالناس عشرین ركعة فی قیام رمضان، ویوتر بثلاث، فرأى كثیر من العلماء أن ذلك هو السنة، لأنه أقامه بین المهاجرین والانصار، ولم ینكره منكر“۔**(مجموع الفتاویٰ ۲۳/۱۱۲)** ، امام سبکیؒ (م۷۵۶ھ) فرماتے ہیں : ”اعلم انه لم ینقل كم صلی رسول الله ﷺ تلك اللیالی، هل هو عشرون أو أقل، قال ومذهبنا أن التراویح عشرون ركعة“۔قله الامام السیوطی فی المصابیح (۴۱، ۴۲)
نویں صدی ھجری (م۸۰۰ھ تا م۹۰۰ھ) میں امام زین الدین العراقیؒ (م۸۰۸ھ) جو امام ابن حجر کے استاد ہے ، فرماتے ہیں ”لكن عمر رضی اللہ عنہ لما جمع الناس علی صلاة التراویح فی شهر رمضان مقتدین بأبی بن كعب صلی بهم عشرین ركعة غیر الوتر وهو ثلاث“۔ **(طرح التثریب شرح التقریب ۳/۹۷)** ، امام تقی الدین ابو بکر الحسینیؒ (م۸۲۹ھ) فرماتے ہیں ”فجمعهم علی أبی رضی اللہ عنہ وضب لهم عشرین ركعة وأجمع الصحابة مع علی ذلك“۔ **(کفایۃ الاخیار :ص۱۱۳)**

باقی ص۱۱۰ پر ہے۔

افطار سے پہلے کی دعاء کا مسئلہ اور غیر مقلدین کو منہ توڑ جواب۔

مولانا نذیر الدین قاسمی

غیر مقلدین اپنی عادت کے مطابق یہ شور مچا رہے ہیں کہ افطار کی "**دعاء اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت**" حضور ﷺ سے ثابت نہیں ، اور جس حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں وہ ضعیف ہے۔

اس مسئلہ پر تحقیق درجِ ذیل ہے :

امام أبو عبد الرحمن محمد بن فضیل بن غزوان بن جریر الضبي الکوفي ؒ(م۱۹۵ھ) فرماتے ہیں :

حدثنا حصين، عن أبي زهرة، قال: كان النبي ﷺ إذا صام، ثم أفطر يقول: اللهم لك صمت، وعلى رزقك أفطرت۔

خلاصہ یہ کہ ابو زہرہ ؒ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ افطار کرتے تو فرماتے" **اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت**"۔(الدعاء للضبّی ، حدیث نمبر : ٦٦)

تنبیہ : یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت جمہور محدثین کے نزدیک حجت ہے۔

اور مزید امام ابوداؤد ؒ(م۲۷۵ھ) نے بھی یہ روایت کو اپنی سنن میں نقل کیا ہے ، اور اس کو نقل کرنے کے بعد امام ابو داؤد ؒ نے سکوت اختیار کیا ہے۔(سنن ابی داؤد ، حدیث /۲۳۵۸) جو کہ غیر مقلدین کے نزدیک روایت کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔[39]

مزید اس روایت کے شواہد بھی موجود ہیں ، جو کہ درجِ ذیل ہیں :

۱ - حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ جب افطار فرماتے تو یہ پڑھتے " **بسم الله، اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت**" ۔(معجم الاوسط للطبرانی ۷/۲۹۸۔ضعیف)

۲ - الربیع بن خثیم ؒ(م۶۳ھ) سے بھی یہی دعاء ثابت ہے۔(الطبقات الکبری : ج ٦ : ص۲۲٦ ، واسنادہ صحیح)

اور مولانا رئیس ندوی سلفی اہل حدیث عالم لکھتے ہیں کہ :

مرسل حدیث احناف ومالکیہ کے نزدیک مطلقاً حجت ہے ، اور دوسرے اہل علم کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ حجت ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسری متصل سند سے ، خواہ ضعیف ہو مروی ہو۔(نمازِ جنازہ اور اس کے مسائل / ٤٦)

---

[39] ص۵۳۔

معلوم ہوا کہ **خود اہل حدیث کے نزدیک** بھی مرسل روایت دوسری متصل ضعیف روایت کی موجودگی میں مقبول ہوتی ہے۔ایسی روایت کو' مرسل معتضد' کہتے ہے جو کہ غیر مقلدین کے نزدیک بھی حجت ہے۔[40]

یہی وجہ ہے کہ امام الشیرازیؒ (۴۷۶ھ)، امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ)، امام الحافظ بغویؒ (م ۵۱۶ھ) اور امام النوویؒ (م ۶۷۶ھ) نے اس دعاء کو افطار کے وقت پڑھنے کو سنت و مستحب لکھا ہے۔(المھذب للشیرازی: ج ۱: ص ۳۴۳، الوسیط في المذھب للغزالی: ج ۲: ص ۵۳۶، التھذیب للبغوی: ج ۳: ص ۱۸۳، المجموع: ج ۶: ص ۳۶۲) شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ (م ۱۴۲۰ھ) بھی اس دعاء کے پڑھنے کے قائل ہے۔ (مجموع الفتاوی: ج ۲۰: ص ۲۶۱)

نوٹ :

اس دعاء میں" وعلیک توکلت" کے الفاظ بھی ایک روایت میں موجود ہیں جو کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ (کنزالعمال: ج ۸: ص ۵۰۹)[41]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ افطار کے وقت صرف "اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت" پڑھے۔ لیکن اگر کوئی "اللھم لک صمت وبک آمنت وعلیک توکلت وعلی رزقک افطرت" پڑھے تو اس کی گنجائش ہے اور یہی محدث ملا علی قاریؒ کا کہنا ہے۔(مرقاۃ ۴/۱۳۸۹)

غیر مقلدین کی دلیل کا حال :

بعض حضرات کہتے ہیں کہ افطار کے وقت یہ دعاء پڑھنی چاہیے : "ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر إن شاءاللہ "۔

الجواب : یہ دعاء دراصل افطار کرنے کے بعد کی ہے۔ چنانچہ خود اس روایت میں موجود دعاء کے الفاظ بتارہے ہیں کہ یہ دعاء افطار کرنے کے بعد کی ہے۔

"ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر إن شاءاللہ " پیاس بجھ گئی ، رگیں تر ہوگئیں ، اور اجر ثابت ہوگیا ان شاء اللہ۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث مبلغ ابوزید ضمیر صاحب کہتے ہیں کہ یہ دعاء افطار کرنے کے بعد پڑھی جائے۔[42]

لہٰذا یہ دعاء اللھم لک صمت والی دعاء کے خلاف نہیں ہے ، بلکہ یہ دونوں الگ الگ وقت کی دعاء ہے اور اس دعاء کا افطار کے بعد پڑھنا ہمارے نزدیک بھی صحیح ہے ، لیکن دونوں کو ایک وقت کی دعاء قرار دینا غلط ہے۔

---

[40] تفصیل ص : ۶۳ پر ہیں۔

[41] مگر اس کی سند نہیں ملی۔

[42] https://www.youtube.com/watch?v=P0snusJ8Wp8

عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے۔

(ارشاد الحق اثری صاحب کے مضمون کا تحقیقی جواب)

مفتی ابن اسماعیل المدنی

فتنہ کے زمانہ میں عورت کے پردہ اور اس کے ستر کی حفاظت کے لحاظ کی وجہ سے افضل یہ ہے کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے ، مسجد میں نہیں۔

اعتکاف کی جگہ:

افضل یہ ہے کہ عورت اپنے گھر میں اعتکاف کرے۔، اس جگہ پر جو اس نے پنجوقتہ نماز کیلئے مقرر کرلی ہو ، جسے مسجد البیت یعنی گھر کی مسجد کہا جاتا ہے۔اگر پہلے سے کوئی جگہ مقرر نہ ہوتو اب کرلے پھر اس جگہ میں اعتکاف کرے۔

ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ ،مشہور تابعی اور فقیہ العراق ابراہیم نخعیؒ،اور محدث کبیر اور فقیہ سفیان ثوری کا یہی قول ہے۔ [43]

الامام الحافظ المجتہد ابو یوسفؒ اور الامام المسلمین الحافظ الکبیر الفقیہ محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا بھی فتوی ہیں۔ (الأصل المعروف بالمبسوط للامام محمدؒ: ۲/۲۷۴، ۲/۱)

اعتراض نمبر ۱:

ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات نے بھی مسجد ہی میں اعتکاف کیا اور کسی صحابیہ سے گھر میں اعتکاف ثابت نہیں ، تو یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ عورت کو بھی مسجد میں ہی اعتکاف کرنا چاہیے ، جیسا کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے۔ (مقالات ارشاد الحق اثری ۱/۲۷۷)

الجواب نمبر ۱ :

ارشاد الحق اثری صاحب نے امام شافعیؒ کا ایک ہی قول نقل کیا ہے ، ان کا قولِ قدیم قولِ جدید کے خلاف ہے ، اور امام شافعیؒ کا قول قدیم فقہاء شافعیہ کی جماعت کی تحقیق میں زیادہ صحیح ہے ، جس کی تفصیل اگر آرہی ہے ، لیکن جہاں تک موصوف کی یہ بات ازواج مطہرات نے بھی مسجد ہی میں اعتکاف کیا ، تحقیق کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔

[43] قال الحافظ المغرب رحمة الله : و قال ابو حنيفة لا تعتكف المرأة إلا في مسجد بيتها و لا تعتكف في مسجد الجماعة، و قال الثوري اعتكاف المرأة في بيتها أفضل من اعتكافها في المسجد و هو قول إبراهيم۔ (الاستذكار ۳/۳۹۹)

حضرت عائشہؓ جنہوں نے ازواج مطہرات کا مسجد نبوی میں اعتکاف کرنا نقل کیا ہے، خود انہوں نے مسجد کے باہر اعتکاف کیا ہے۔ صحیح البخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے کہ :

حضرت عائشہؓ نے ثبیر پہاڑ پر ایک مہینہ اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی، آپ کے بھائی عبد الرحمنؓ آپ کو اس سے منع کرتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں یہ لوگوں کا طریقہ نہ بن جائے، مگر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میرے دل میں اسکا تقاضہ ہے، لہذا جب حضرت عبد الرحمنؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے اپنی نذر پوری کی۔ (یہ کئی روایتوں کا خلاصہ ہے) دیکھئے:

(صحیح البخاری: حدیث نمبر ۱۶۱۸[44]، ۳۰۸۰[45]، مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۸۰۲۱[46]، ۸۰۲۲[47]، ۸۰۲۹[48]، ۹۰۱۸[49]، ۱۵۸۸۷[50]، ۱۵۹۵۱[51]، اخبار مکہ للفاکہی: حدیث نمبر ۴۸۳[52]، ۱۳۳۵[53]، مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۱۳۳۰۲[54])

اس حدیث کی بعض روایتوں میں صاف طور پر اعتکاف کا لفظ ہے۔ **(مصنف عبد الرزاق حدیث نمبر ۸۰۲۱، مسند الامام الشافعی حدیث نمبر ۲۴۵[55]، اخبار مکہ للفاکہی حدیث نمبر ۲۴۸۹، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی حدیث نمبر ۱۹۵۲۴، السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر ۱۹۹۳۷، إرواء الغلیل /۸/۱۹۵)**

---

[44] الفاظ یہ ہیں: ”۔۔۔ وکنت آتی عائشۃ أنا وعبید بن عمیر، وھی مجاورۃ فی جوف ثبیر، قلت: وما حجابھا؟ قال: ھی فی قبۃ ترکیۃ، لھا غشاء وما بیننا وبینھا غیر ذلک، ورأیت علیھا درعا موردا۔“

[45] الفاظ یہ ہیں: ”سمعت عطاء: یقول: ذھبت مع عبید بن عمیر إلی عائشۃ ﷺ وھی مجاورۃ بثبیر۔۔۔“

[46] الفاظ: ”عن ابن ملیکۃ قال: اعتکفت عائشۃ بین حراء وثبیر فکنا نأتیھا ھناک، وعبد لھا یؤمھا۔“

[47] الفاظ: ”عن عطاء أن عائشۃ نذرت جوارا أفی جوف ثبیر مما یلی منیً، قلت: فقد جاورت؟ قال: أجل، وقد کان عبد الرحمن بن أبی بکر نھاھا أن تجاور خشیۃ أن یتخذ سنۃ، فقالت عائشۃ: حاجۃ کانت فی نفسی۔“

[48] الفاظ: ”عن ابن جریج قال: قلت لعطاء: ۔۔۔ فنذر جوارا أعلی رؤوس ھذہ الجبال جبال مکۃ أیقضی عنہ أن یجاور فی المسجد؟ قال: نعم المسجد خیر وأطیب، قلت: وکذلک فی کل أرض؟ قال: نعم، ثم أخبرنی عند ذلک خبر عائشۃ حین نذرت أن تجاور فی جوف ثبیر۔“

[49] الفاظ: ”وکنت آتی عائشۃ أنا وعبید بن عمیر، وھی مجاورۃ فی جوف ثبیر، قلت: فما حجابھا حینئذ؟ قال: ھی فی قبۃ لھا ترکیۃ، علیھا غشاء لھا، بیننا وبینھا، قال: ولکن قد رأیت علیھا درعا معصفرا أو أنا صبی۔“

[50] الفاظ: ”أخبرنی عطاء: أن عائشۃ ابنۃ ابی بکر کانت نذرت جوارا أفی جوف ثبیر، فکان أخوھا عبد الرحمن یمنعھا حتی مات، فجاورت ثم۔“

[51] الفاظ: ”أخبرنی عطاء: أنہ جاء عائشۃ أم المومنین مع عبید بن عمیر، وکانت مجاورۃ فی جوف ثبیر، فی نحو منی

[52] الفاظ: ”وکنت آتی عائشۃ أنا وعبید بن عمیر، وھی مجاورۃ فی جوف ثبیر، قلت: فما حجابھا حینئذ؟ قال: ھی فی قبۃ لھا ترکیۃ، علیھا غشاء لھا، بیننا وبینھا، قال: ولکن قد رأیت علیھا درعا معصفرا أو أنا صبي۔“

[53] الفاظ: ”نذرت عائشہ ام المومنین جوارا أفی جوف ثبیر مما یلی منیً، قلت: نعم، فقد جاورت، قال: أجل، وقد کان عبد الرحمن بن أبی بکر نھاھا عن ذلک، عن أن تجاور، ثم أراہ منعھا خشیۃ أن یتخذ ذلک سنۃ، قال: فقالت عائشۃ ﷺ: حاجۃ کانت فی نفسی۔“

[54] الفاظ: ”عن عبد الملک عن عطاء قال: أتیت أنا وعبید بن عمیر اللیثی عائشہ وھی مجاورۃ بثبیر، قال: وکان علیھا نذر أن تجاور شھرا، قال وکان أخوھا عبد الرحمن یمنعھا من ذلک، ویقول: جوار البیت وطواف بہ أحب إلی وأفضل، قال: فلما مات عبد الرحمن خرجت۔“

[55] الفاظ: ”قال عطاء: ذھبت أنا وعبید بن عمیر إلی عائشۃ ﷺ وھی معتکفۃ فی ثبیر۔“

ان تمام روایتوں میں یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ثبیر پہاڑ پر اعتکاف کیا تھا اور بعض روایتوں میں مجاورہ (یعنی ٹھہرنا) کا لفظ استعمال ہوا ہے، لیکن اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، اس لئے کہ: خود بخاری اور مسلم کی بعض حدیثوں میں، اعتکاف کیلئے، مجاورہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۲۰۱۸[56]، مسلم: حدیث نمبر ۱۱۶۷[57])

صحیح بخاری کے مشہور شارح امام ابن بطالؒ (م ۴۴۹ھ) نے اس حدیث سے مسجد کے باہر اعتکاف کے درست ہونے پر استدلال کیا ہے۔[58] اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے وہاں پر اعتکاف فرمایا۔[59]

تو اس سے تو یہی بات ثابت ہوئی کہ عورت مسجد کے علاوہ بھی اعتکاف کر سکتی ہے۔

لہذا ارشاد الحق اثری صاحب کی بات صحیح نہیں ہے اور جب مسجد کے علاوہ اعتکاف درست ہے، تو پھر گھر میں بھی اعتکاف درست ہے۔

اعتراض نمبر ۲:

---

[56] الفاظ: "كان رسول الله ﷺ يجاور في رمضان العشر الذي في وسط الشهر۔۔۔۔"

[57] الفاظ: "كان رسول الله ﷺ يجاور في رمضان العشر الذي في وسط الشهر۔۔۔"

[58] (فتح الباری ۳/۴۸۱) اور حافظؒ کے الفاظ یہ ہیں: "واستنبط منه ابن بطال الاعتكاف في غير المسجد، لأن ثبيرا خارج عن مكة۔"

[59] لیکن آگے یہ بھی کہا کہ ہو سکتا ہے حضرت عائشہؓ نے وہاں مسجد بنالی ہو، یا ان کو مسجد حرام میں جگہ میسر نہ آئی ہو۔ الفاظ یہ ہیں: "لكن يلزم من إقامة عائشة هناك أنها أرادت الإعتكاف سلمنا لكن لعلها اتخذت في المكان الذي جاورت فيه مسجدا اعتكفت فيه وكأنها لم يتيسر لها مكان في المسجد الحرام تعتكف فيه فاتخذت ذلك۔" (فتح الباری ۳/۴۸۱) ہو بہو ابن حجرؒ کی یہ بات اردن کے بڑے عالم، قاضی و مفتی شیخ محمد الخضر الشنقیطیؒ نے بھی نقل کی ہے۔ (کوثر المعانی ۱۳/۲۴۵)

مگر امام، علامہ، حافظ ابن حجرؒ (کے بہت ہی ادب واحترام کے ساتھ، ان) کی یہ بات قابل غور ہے، اس لئے کہ:

(۱) ابن حجرؒ نے صرف انداز سے یہ بات کہی ہے کہ ہو سکتا ہے انہوں نے وہاں کوئی مسجد بنالی ہو، کوئی مدلل بات نہیں فرمائی۔

(۲) انہوں نے نذر ہی پہاڑ پر اعتکاف کرنے کی مانی تھی تو مسجد کی بات ہی کہاں رہی۔

ویسے یہ کہنا کہ ام المومنین کو مسجد حرام میں اعتکاف کیلئے کوئی جگہ میسر نہیں تھی، یہ خود ایک عجیب بات ہے۔

(۳) (ابن جریجؒ نے حضرت عطاءؒ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اور حضرت عطاءؒ خود حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے تھے)

ان ابن جریجؒ نے اس حدیث کو پہاڑ پر اعتکاف کرنے کے سوال کے جواب میں بیان کیا ہے۔

۔۔۔قلت فنذر جوار أعلى رءوس هذه الجبال جبال مكة، أيقضي عنه أن يجاور في المسجد؟ قال نعم، المسجد خير وأطهر، قلت: وكذلك في كل أرض؟ قال نعم، ثم أخبرني عند ذلك خبر عائشة حين نذرت أن تجاور في جوف ثبير۔ (مصنف عبد الرزاق /۸۰۲۹، اخبار مکہ للفاکہی /۱۳۳۵)

(۴) حضرت عائشہؓ نے پہاڑ پر اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی، اسی لئے تو ان کے بھائی حضرت عبد الرحمن نے ان کو منع کیا تھا، کہ کہیں لوگ اس کو طریقہ نہ بنالیں، اگر عائشہؓ نے مسجد میں اعتکاف کی نذر مانی ہوتی تو یہ اندیشہ درست نہ ہوتا، اسلئے کہ وہ تو ہے ہی سنت۔

(۵) کسی بھی حدیث میں اس کا بات ذکر نہیں کہ انہوں نے وہاں کوئی شرعی مسجد بنالی تھی، پھر اس میں اعتکاف کیا تھا، بلکہ پردہ کے طور پر ہر جگہ صرف ان کے خیمہ کا تذکرہ موجود ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ انہوں نے نماز پڑھنے کیلئے وقتی طور پر کوئی مصلّٰی بنا لیا ہو۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کے غلام وہاں ان کی امامت کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق /۸۰۲۱)

ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ "گھر میں اعتکاف درست نہیں ہے "۔(مقالات ، جلد ا، صفحہ ۲۷۹)

الجواب نمبر ا:

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں عنوان قائم کیاہے:باب اعتکاف النساء یعنی عورتوں کے اعتکاف کرنے کا بیان :

اس کے تحت یہ حدیثیں لائے ہیں:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے، میں آپ کیلئے ایک خیمہ نصب کر دیتی تھی، آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھ کر اس میں اخل ہوتے، پھر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے خیمہ نصب کرنے کی اجازت مانگی، انہوں نے اجازت دے دی، تو حفصہؓ نے بھی ایک خیمہ نصب کیا، جب زینب بن جحشؓ نے دیکھا تو انہوں نے بھی ایک دوسرا خیمہ نصب کیا جب صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے چند خیمے دیکھے، آپ نے فرمایا کہ یہ خیمے کیسے ہیں؟ آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا:" "کیا تم ان میں نیکی سمجھتے ہوئے، چنانچہ آپ نے اس مہینہ میں اعتکاف چھوڑ دیا، پھر شوال کے ایک عشرہ میں اعتکاف کیا۔

اس کے بعد کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اعتکاف کرنے کا ارادہ کیا، جب اس جگہ پر پہنچے جہاں اعتکاف کرنے کا ارادہ تھا تو دیکھا کہ کچھ خیمے لگے ہیں، حضرت عائشہ کا خیمہ، حضرت حفصہ کا خیمہ، حضرت زینب کا خیمہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان میں بھلائی سمجھتے ہو پھر آپ واپس ہو گئے اور اعتکاف نہیں کیا یہاں تک کہ شوال کے ایک عشرہ میں اعتکاف کیا۔

الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ اس حدیث کو دو عنوان کے تحت اور بیان کیا ہے:

(۱) شوال میں اعتکاف کرنے کا بیان۔

(۲) اگر کوئی شخص اعتکاف کرے اور اسے مناسب معلوم ہو کہ اعتکاف سے باہر ہو جائے۔

ان حدیثوں کی شرح ملاحظہ فرمائیں :

(۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :

وفيه۔۔۔وأن الأفضل للنساء أن لا يعتكفن في المسجد۔

یعنی :اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ عورتوں کیلئے افضل یہی ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف نہ کریں۔(فتح الباری ۴/۲۷۷)

(۲) ابن حجرؒ لکھتے ہیں : امام شافعیؒ نے ، ایسی مسجد میں جس میں جماعت سے نماز پڑھی جاتی ہو ، عورتوں کے اعتکاف کرنے کو مطلقاً مکروہ کہا ہے، اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے ، **یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کا اپنے گھر کی مسجد کے علاوہ کہیں بھی اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔**(فتح الباری ۴/۲۷۵)

یہ امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے۔[60]

---

[60] امام شافعیؒ کا قول قدیم جو فقہ شافعی کی تقریباً ہر کتاب میں موجود ہے ، کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کر سکتی ہے، اس قول کو اگر بعض نے رد کیا ہے۔لیکن فقہاء شافعیہ کی ایک جماعت نے اسی قول کو ترجیح بھی دی ہے۔چنانچہ الإمام الشیخ جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن الإسنوي (م ۷۷۲ھ) فرماتے ہیں کہ :ثم قال إذا قلنا بصحته ، أی صحة اعتکاف المرأة فی مسجد بیتها ، فیجوز أن یقال : إنه فی مسجد بیتها افضل ، لانه أستر لها ، ویجوز أن یقال : أنه فی المسجد أفضل ، للخروج من الخلاف ، والتی یکره لها الاعتکاف فی المسجد ، وهی التی یکره لها حضور الجماعات ، فالاعتکاف فی المسجد الجامع فی حقها أشد کراهة۔انتهی کلام ابن الرفعة۔

ومقتضاه أنه لم یقف فی هذه المسألة علی نقل ، وهو غریب ، فقد نص الشافعی علی کراهة اعتکافها فی غیرها ، کذا ذکره القاضی الحسین فی تعلیقه ، والشیخ ابو حامد فیما علقه علی البندنیجی ، وسلیم الرازی فی المجرد ، وابن الصباغ فی الشامل ، والشاشی فی الحلیة ، والمعتمد ، والعمرانی فی البیان ، وقال المحاملی ، فی المجموع ، إن اعتکافها فی بیتها افضل ، ولم یعبر بالکراهة ، وأغرب من هذا أن المصنف نفسه قبل هذا الموضع بنحو ورقتین قد نقل عن ابن الصباغ والقاضی الحسین ما نقلته عنهما من کراهة الشافعی اعتکافها فی غیره۔

پھر آگے مصنف (یعنی ابن الرفعةؒ) نے کہا: اگر ہم اسے صحیح کہیں ،یعنی عورت کے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنے کو صحیح کہیں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنے گھر کی مسجد میں افضل ہے، اس لئے کہ اس میں عورت کیلئے پردہ زیادہ ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسجد میں افضل ہے، اس لئے کہ اس میں (علماء کے) اختلاف سے بچنا ہے۔ اور مسجد میں اعتکاف کرنا اسی کیلئے مکروہ ہے جس کے لئے جماعت (سے نماز پڑھنے کیلئے مسجد) میں حاضر ہونا مکروہ ہے، پس اس کے حق میں جامع مسجد میں اعتکاف کرنا اور زیادہ مکروہ ہو گا۔ مصنف کی بات پوری ہوئی۔

(اس کا جواب دیتے ہوئے الإمام إسنوی (م ۷۷۲ھ) فرماتے ہیں کہ) اس (عبارت) سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی عبارت پر مطلع نہیں ہوئی، یہ عجیب بات ہے، اس لئے کہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) نے تصریح فرمائی ہے کہ اس (یعنی عورت) کا اس (یعنی گھر کی مسجد) کے علاوہ کہیں اور اعتکاف کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ امام القاضی حسینؒ (م ۴۶۲ھ) نے اپنی 'تعلیق' میں ذکر کیا ہے، الإمام أبو حامد الإسفرایینیؒ (م ۴۰۶ھ) نے امام بندنیجیؒ (م ۴۲۶ھ) کی کتاب (پر موجود) اپنی تعلیق میں، الامام المفسر الفقیہ سلیم الرازیؒ (م ۴۴۷ھ) نے 'مجرد' میں، ابن الصباغؒ (م ۴۷۸ھ) نے 'الشامل' میں، امام الشاشیؒ (م ۵۰۷ھ) نے 'حلیہ اور معتمد' میں، فقیہ عمرانیؒ (م ۵۵۸ھ) نے 'البیان' میں، الامام الجلیل محاملیؒ (م ۴۱۵ھ) نے 'مجموع' میں، کہ یقینا **عورت کا اپنے گھر میں اعتکاف کرنا افضل ہے** ، اور مکروہ سے تعبیر نہیں کہا ہے، اور اس کے عجیب بات یہ ہے کہ خود مصنفؒ نے اس جگہ سے دوورق پہلے ، ابن الصباغ اور قاضی حسین سے وہی بات نقل کی ہے جو میں نے نقل کی ، کہ اس گھر کے علاوہ کہیں اعتکاف کرنا امام شافعیؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (الهدایه إلی اوهام الکفایة ۲۰/۲۷۲)

معلوم ہوا کہ فقہاء شافعیہ کی ایک جماعت نے امام شافعیؒ کے قدیم قول کو ترجیح دی ہے۔ اور یاد رہے کہ زبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق شافعی علماء نے اعلان کیا کہ ہم شافعی کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ہماری رائے (اجتہاد کی وجہ سے) ان کی رائے کے موافق ہو گئی ہے۔ (اختصار علوم الحدیث مترجم از علی زئی: ص ۱۳، دین میں تقلید کا مسئلہ: ص ۴۶) لہذا ان فقہاء شافعیہ نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے امام شافعیؒ کے قدیم قول کو ترجیح دی ہے۔ اور امام النخعیؒ، امام ابو حنیفہؒ، صاحبین اور امام سفیان الثوریؒ وغیرہ کی طرح ان کے نزدیک بھی ' **عورت کا اپنے گھر میں اعتکاف کرنا افضل ہے** ' ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آج شافعی حضرات کا عمل اسی پر ہے۔ الغرض امام شافعیؒ کے قدیم قول ہی بقول زبیر علی زئی کہ ان کے اجتہاد کرنے والے علماء کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔ مگر ارشاد الحق اثری صاحب نے یہ سب باتیں چھپالی۔

اثری صاحب کا ایک اور اعتراض اور اس کا جواب :

(۳) اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے مشہور شارح حدیث علامہ خطابیؒ (م۳۸۸ھ) ابو داؤد کی شرح میں فرماتے ہیں :

وفیہ کالدلالۃ علی أن اعتکاف المرأۃ فی بیتھا جائز۔(معالم السنن ۲/۱۳۹)

یعنی : **اس حدیث میں گویا اس بات پر دلیل موجود ہے کہ عورت کا اپنے گھر میں اعتکاف کرنا جائز ہے ۔**

(۴) شیخ محمد بن شیخ علی بن آدم الاتیوبیؒ لکھتے ہیں :

ومنھا ان الافضل للنساء ان لا یعتکفن فی المسجد ۔(ذخیرۃ العقبی فی شرح المجتبیٰ للنسائی ۸/۶۹۰) میں

یعنی اس حدیث میں یہ بھی بیان ہے کہ عورتوں کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف نہ کریں۔

یاد رہے : مشہور سلفی علماء شیخ ناصر الدین الالبانیؒ اور شیخ مقبل الوادعیؒ نے سنن نسائی کی اس شرح کی بہت تعریف کی ہے : شیخ البانیؒ اس کتاب کی بارے میں کہتے تھے کہ وہ سنن نسائی کی اس جیسی کوئی اور سلفی شرح نہیں جانتے۔

شیخ مقبل کہتے تھے :بہت سی وہ باتیں جن کو شیخ نے ترجیح دی ہے یا اختیار کیا ہے اس پر دل مطمئن ہے ، اسلئے کہ وہ دلیل کے موافق ہیں ، اور میں طلبہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس عظیم کتاب کو حاصل کرنے کی کوشش کریں ، اس لئے کہ اس زمانہ میں ہر محدث اس طرح کی شرح نہیں لکھ سکتا ہے۔

(۵) شیخ محمود بن محمد بن خطاب السبکی لکھتے ہیں:

امام ،علامہ ، حافظ ، ناقد ابو بکر جصاص الرازیؒ پر اعتراض کرتے ہوئے ارشاد الحق صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو اعتکاف کی اجازت دی ، بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس کے متعلق علامہ ابو بکر جصاص الرازی نے کہاکہ یہ اجازت گھروں میں اعتکاف کے متعلق تھی۔ (احکام القرآن) حالانکہ اگر یہ اجازت گھروں میں اعتکاف کے بارے میں تھی اور مسجد میں اعتکاف ان کے لئے جائز نہ تھا ، تو آنحضرت ﷺ کے بعد ان کا مسجد میں اعتکاف کرنا اور کسی بھی صحابی کا اس پر اعتراض نہ کرنا چہ معنی دارد؟ اندازہ کیجئے مسلک کی کورانہ حمایت میں کن کن تاویلات کا سہارا لیا گیا ہے۔ (مقالات ۱/۲۷۹)

الجواب : حافظ ابو بکر جصاص الرازیؒ (م۳۷۰ھ) کی پوری عبارت یہ ہے : **یحتمل أن یکون الاذن انصرف إلی اعتکافھن فی بیوتھن, ویدل علیہ أنہ لما رأی ابنیتھن فی المسجد ترک الاعتکاف فی المسجد حتی ترکن أیضاً وھذا یدل علی أن الاذن بدیا لم یکن إذنا لھن فی الاعتکاف فی المسجد۔**(احکام القرآن ۱/۳۰۴) اگر اثری صاحب کو حافظ ابو بکر الرازیؒ کے اجتہاد پر اعتراض ہے تو قریب قریب یہی بات تو امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) نے بھی اپنے قدیم قول میں کہی ہے ، جس کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) نے نقل کیا ہے ، پھر اسی حدیث کی وجہ سے امام خطابیؒ (م۳۸۸ھ) نے عورت کیلئے ان کے گھروں اعتکاف کرنے کو جائز کہا ہے ، جس کے حوالے پہلے گزر چکے ، مگر سوال یہ ہے کہ بقول ارشاد الحق اثری صاحب کے ان حضرات نے کسی مسلک کی تائید میں حدیث کی تاویل کی ہے ؟ پھر اہل حدیث عالم ، محدث شیخ بدیع الدین شاہ راشدی صاحب حافظ ابو بکر الرازیؒ کا حنفی کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ : ” ابو بکر الرازی لکھنوی نے تعلیقات السنیۃ میں مجتھد فی المذھب قرار دیا ہے ، اس کی تفسیر بھی بتاتی ہے کہ وہ تقلید سے بالا تھے۔(تنقید السدید :ص۳۴۳) لہذا جب وہ خود اہل حدیث حضرات کے نزدیک حنفی نہیں تھے ، تو مسلک کی کورانہ حمایت میں تاویلات والی بات کہاں تک صحیح ہے ، یہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

" ثم اعتکف ازواجہ من بعدہ " یعنی پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کی ازواج نے اعتکاف کیا: "وفیہ دلیل علی أن الاعتکاف لم ینسخ وأن النساء فیہ کالرجال غیر أنھن یعتکفن فی مساجد بیوتھن۔" اس حدیث میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ اعتکاف منسوخ نہیں ہوا، اور اعتکاف کے باب میں عورتیں بھی مردوں کی طرح ہیں ، **مگر وہ اپنے گھروں کی مسجدوں میں اعتکاف کریں گی** ۔(المنہل العذب المورود فی شرح ابی داؤد، ۱۰/۲۹۹)

(۶) شیخ احمد بن عبد الرحمن الساعاتی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں : "(قلت) وھو (أی اعتکاف المرأۃ فی مسجد بیتھا) الواجب المتعین الذی یجب المصیر الیہ خصوصا فی عصرنا ھذا۔" **میں کہتا ہوں : یہی ضروری ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا کہ عورت اپنے گھر ہی میں اعتکاف کرے، خاص کر کے اس زمانہ میں۔** (الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ۱۰/۲۶۲)

(۷)مشہور سلفی عالم اور بڑے بڑے سلفی علماء کے شاگرد ، شیخ عطیہ سالم ، حدیث کی مشہور کتاب بلوغ المرام کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"فإذا کان للمرأۃ مسجد فی بیتھا بمعنی: مکان مخصص لصلاتھا فیصح اعتکافھا فیہ، ویقول بعض السلف: لولا أنہ جاء اعتکاف النساء فی المسجد علی عھد رسول اللہ لقلت: لیس لھا أن تعتکف فی المسجد، لکثرۃ ما یراھا الناس، ولکثرۃ تعرضھا للناس۔"

یعنی : اگر عورت کی اس کے گھر مسجد ہو مطلب اس کی نماز کیلئے کوئی مخصوص جگہ ہو تو عورت کا وہاں اعتکاف کرنا صحیح ہے ، سلف میں سے کسی نے کہا ہے کہ اگر حدیث میں یہ بات نہ آئی ہوتی کہ عورتیں حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں اعتکاف کرتی تھیں ، تو میں کہتا کہ عورت مسجد میں اعتکاف کر ہی نہیں سکتی ، اسلئے کہ کثرت سے لوگ اسے دیکھیں گے اور کثرت سے اس کا لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ (شرح بلوغ المرام لعطیہ سالم: ۱۵۷/۱۱)

(۸)امام احمدؒ فرماتے ہیں عورتیں مسجد میں اعتکاف کریں گی ، ان کے لئے مسجد میں خیمے لگائے جائیں گے ، اور لوگوں سے یہ چیز جاچکی ہے۔ (مسائل الامام احمد روایۃ ابی داؤد السجستانی/۱۳۸)۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلاف کے زمانہ سے ہی عورتوں نے مسجد میں اعتکاف کرنا چھوڑ دیا تھا۔

(۹)سلفی عالم دکتور حسام عفانہ کہتے ہیں :

خلاصہ یہ کہ اعتکاف مردوں کی طرح عورتوں کیلئے بھی مشروع ہے ، ان شرطوں کے ساتھ جو پہلے بیان کی گئیں ، لیکن ان مشکل حالات کے پیش نظر جن میں ہم ان ملکوں میں جی رہے ہیں ، میری رائے یہ ہے کہ عورتیں مسجدوں میں اعتکاف نہ کریں ، نہ رمضان کے اخیری عشرہ میں نہ اسکے علاوہ ، ہاں دن میں ایک آدھ گھنٹہ مسجد میں اعتکاف کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ، لیکن رات کو اعتکاف نہ کرے۔(فتاویٰ د۔حسام عفانۃ ۹/۱۴)

(۱۰) شیخ ابن العثیمینؒ فرماتے ہیں :

عورت مسجد حرام میں یا مسجد نبوی میں یا کسی اور مسجد میں اعتکاف کرے اس میں کوئی حرج نہیں ،اس شرط کہ ساتھ کہ وہاں کوئی فتنہ نہ ہو، اور مسجد حرام ومسجد نبوی کو دیکھنے والے یہی رائے ہوگی کہ افضل یہ ہے کہ عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے ، اس لئے کہ وہ کسی جگہ تنہا رہے یہ ممکن نہیں ہے، برخلاف نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے ، کہ اس وقت عورت مسجد میں اپنا خیمہ لگاکر اس میں رہ سکتی تھی ، لیکن موجودہ وقت میں یہ ممکن نہیں ، تو اس کے اعتکاف کی وجہ سے جو شر ، بلاء اور فتنہ ہوگا وہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں مناسب نہیں ، ہوسکتا ہے عورت سو جائے اور لوگ آتے جاتے اس کے پاس سے گذریں ،ہوسکتا ہے سوتے وقت اس کا کپڑا کچھ کھل جائے ، اس لئے کہ بہت سے لوگ جب سوتے ہیں تو انہیں اپنا ہوش نہیں رہتا ، بلکہ اکثر لوگ، اس وجہ سے ہماری رائے ہے کہ عورت مسجدوں میں اعتکاف نہ کرے۔

لیکن بالفرض حرمین کے علاوہ کوئی مسجد ہے ، جہاں عورتوں کیلئے خاص جگہیں ہیں ، اور عورت اس میں اعتکاف کرنا چاہتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(فتاویٰ نور علی الدرب ۲/۱۱)

ان تمام علماء کی باتوں سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ عورت کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف نہ کرے۔[61]

الجواب نمبر ۲ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "**لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن كما منعت نساء بني إسرائيل**" عورتوں نے جو (زیب وزینت اور خو بصورتی کے)طریقے ایجاد کرلیا ہیں اگر رسول اللہ ﷺ اسے دیکھ لیتے تو آپ ﷺ ان کو مسجد (میں آکر نماز پڑھنے)سےروک دیتے جیسا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئ تھی۔(صحیح بخاری : حدیث نمبر ۸۶۹)

اس سے استدلال کرتے ہوئےبقول غیر مقلدین کے تقلید نہ کرنے والے[62]، مجتہد اور امام الحافظ الطحاویؒ (م۳۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ "**ولم تكن عائشة لتطلق هذا على رسول الله صلى الله عليه وسلم في النساء إلا بعد علمها أنه إنما أذن لهن في المساجد لعدم حال قد صارت فيهن بعده وإذا كن كذلك في زمن عائشة فهن بعدها مما كن عليه في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم أبعد, وإذا منعن من المساجد للصلوات, كن من المنع من المساجد بالاعتكاف أولى**" اور حضرت عائشہؓ، نبی ﷺ کی طرف منسوب کرکے ،عورتوں کے بارے میں یہ بات اسی وقت کہیں گی جبکہ انہیں معلوم ہو کہ آپ ﷺ نے انہیں مسجدوں کی اجازت اسی لئے دی تھی کیونکہ ان کا وہ حال نہیں ہوا تھا جو نبی ﷺ کے بعد ہوا، اور جب وہ حضرت عائشہؓ کے دور میں ایسی تھیں ، تو ان کے بعد تو،ان حالات سے اور دور ہوجائیں گی جو حالات نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے۔اور جب انہیں نمازوں کیلئے مسجد آنے سے روک دیا گیا تواعتکاف کیلئے بدرجہ اولیٰ انہیں منع کیا جائے گا۔ (أحکام القرآن : ج ۱ : ص۴۶۵)

ایک اور مقام پر مقامتے ہیں کہ " **فكان قول عائشه فى هذا وهى المأمونة على ماقالت مع علمها وفقهها ويقظتها, ماقد دل على انما كان لهم اتيان المساجد فى حياة رسول الله ﷺ واسعالحال كن عليها, وقد خرجن عنها بعده إلىٰ ضدها, فانتفىٰ بذلک ماكان واسعالهن من إتيانهن إياه على**

[61] بلکہ گھر ہی میں کرے، کیوں کہ آپ ﷺ نے صحابیہ کو اس لئے منع فرمایا تھا کیونکہ اگر وہ مسجد میں اعتکاف کریں گی ، تو مردوں سے اختلاط اور بے پردگی کا اندیشہ ہوگا ، لہذا حضورؐنے اجازت نہیں دی ، اس کے بالمقابل عورتوں کیلئے گھر میں اعتکاف کرنا جائز ہے ، جیسا کہ امام خطابی ، امام شافعیؒ وغیرہ اہل علم کے اقوال گزر چکے ، کیونکہ وہاں وہ مسجد سے زیادہ محفوظ اور پردہ میں رہے گی ، بلکہ افضل یہی ہے کہ عورت گھر میں اعتکاف کرے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے۔

[62] (تنقید السدید :ص۳۴۳)

ما كن يأتينه في حياة رسول الله ﷺ وإذا كن كذلك في حياة عائشة كن بعد موتها من ذلك أبعد، فإذا كان ذلك كذلك عقلنا أنه: إن كان لهن أن يعتكفن، فإنما يكون ذلك منهن في خلاف المساجد، لا في المساجد۔ وبالله التوفيق" حضرت عائشہؓ اپنے قول میں امانت دار ہیں ،پھر ساتھ ساتھ آپ کا علم، آپ کی فقاہت ، اور آپ کی بیدار مغزی ، تو آپؓ کا یہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کی حالت ،حضرت نبی کریم ﷺ کی حیات میں ایسی تھی کہ ان کیلئے مسجد آنے کی گنجائش تھی، مگر آپ کے بعد ان کی حالت اس کے الٹ ہوگئی ، اس لئے نبی کریم ﷺ کی حیات میں ان کے لئے جو گنجائش تھی وہ اب نہ رہی ، اور جب حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں وہ اپنی پہلی حالت سے وہ اتنی دور ہوچکی تھیں تو اب تو اور دور ہوچکی ہیں ، اس سے ہمیں یہ سمجھ میں آیا کہ آج عورتیں اعتکاف تو کریں گی مگر مسجد میں نہیں۔۔(شرح مشکل الآثار :ج۱۲:ص ۱۴۱:حدیث نمبر:۴۷۱۳)

الجواب نمبر ۳: قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ عورت گھر میں اعتکاف کرے۔ دلائل درج ذیل ہیں :

ارشاد نبوی ہے:

(۱)"**خير صلاة النساء في قعر بيوتهن**" **یعنی** عورتوں کی بہترین نماز ان کے گھروں کے بالکل اندرونی حصہ کی ہے ۔ (مسند الامام احمد /۲۶۵۷۰۔ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ ۱/ ۶۲۶ /۳۳۱۱)

(۲) "**المرأة عورة وإنها إذا خرجت استشرفها الشيطان، وإنها لا تكون أقرب إلى الله منها في قعر بيتها**" **یعنی** عورت پردہ کی چیز ہے ، جب وہ نکلتی ہے تو شیطان تاک جھانک کرتا ہے ، اور وہ اللہ کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بالکل اندرونی حصہ میں ہوتی ہے۔(صحیح ابن حبان /۵۵۹۹،سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۶/ ۴۲۴/ ۲۶۸۸)

(۳)"**خير مساجد النساء قعر بيوتهن**"**یعنی** عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کا بالکل اندرونی حصہ ہے۔(مسند الامام احمد / ۲۶۵۴۲، صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ ۱/ ۶۲۸/ ۳۳۲۷)

(۴) حضرت ابو حمیدؓ کی اہلیہ ام حمیدؓ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں ، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں جانتا ہوں تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو، لیکن تمہارا اپنے گھر کے اندرونی کمرہ میں نماز پڑھنا ، گھر کے باہری کمرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے ، اور گھر کے باہری کمرہ میں نماز پڑھنا گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے ، اور صحن میں نماز پڑھنا محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

حدیث کے راوی کہتے ہیں : حضرت ام حمیدؓ کے کہنے پر ان کے گھر کے سب سے اندرونی اور اندھیرے حصہ نماز پڑھنے کی جگہ بنادی گئی ، تمام عمر وہ اسی جگہ نماز پڑھا کرتی تھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جاملیں۔ (مسند احمد /۲۷۰۹۰، صحیح الترغیب والترہیب ۱/ ۲۵۸/ ۳۴۰) ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔(فتح الباری ۲/ ۳۴۹)

(۵)"وماعبدت امرأة ربها مثل أن تعبده في بيتها " **یعنی** اور عورت اپنے گھر میں جیسے اپنے رب کی عبادت کرتی ہے ویسی عبادت وہ (کہیں اور) نہیں کرتی۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۹/۱۸۵/۸۹۱۴، صحیح الترغیب والترہیب ۱/۲۶۱/۳۴۸)

(۶)عورت اپنے گھر میں نماز پڑھنے کیلئے جو جگہ مقرر کرتی ہے ، حدیثوں میں اس جگہ کو اس عورت کی مسجد کہا گیا ہے۔

"فقامت الی مسجدها" **یعنی** وہ (حضرت زینب بن جحشؓ)اپنی مسجد کی طرف کھڑی ہوئیں۔(صحیح مسلم /۱۴۲۸)

"أن النبي ﷺ مر عليها وهي في مسجدها" **یعنی** حضرت نبی کریم ﷺ حضرت جویریہؓ کے پاس سے گذرے جبکہ وہ اپنی مسجد میں تھیں۔ (سنن الترمذی /۳۵۵۵)

ان روایتوں سے معلوم ہوا:

عورت کی سب سے بہترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرے، اور اس میں بھی جتنے زیادہ اندر کے کمرے میں ادا کرے گی اتنا ہی افضل ہو گا۔

عورت کی سب سے بہترین عبادت وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں کرے۔

عورت سب سے زیادہ اللہ سے قریب اپنے گھر میں ہوتی ہے۔

عورت اپنے گھر کے جس حصہ کو نماز کیلئے خاص کرتی ہے اسے اس کی مسجد کہا گیا ہے۔

اسلاف کی عورتیں اپنے گھر کی مسجد میں عبادت کیا کرتی تھیں۔

تو اعتکاف جو:

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے کیا جاتا ہے۔

اور جس میں یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کی جاتی ہے ،

اس کے لئے وہی جگہ زیادہ مناسب ہے جہاں:

بندہ اللہ کے زیادہ قریب ہو۔

جہاں کی عبادت اللہ کو زیادہ محبوب ہو۔

جہاں بندہ کو زیادہ یکسوئی حاصل ہو۔

اوران حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عورت کے حق میں وہ جگہ اس کی مسجد البیت یعنی اس کے گھر کا وہ ہے حصہ جو اس نے نماز کیلئے خاص کیا ہو۔

۱ - امام حافظ، علامہ، ناقد ابو بکر الرازیؒ (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ "أن اعتكافها في مسجد بيتها أفضل من اعتكافها في مسجد جماعة, و ذلك لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تمنعوا إماء الله مساجد الله, و بيوتهن خير لهن". و قال صلى الله عليه وسلم: "خير صلاة المرأة في بيتها" قال ايضا في أحكام القرآن رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى الله عليه وسلم أنه قال لَا تَمْنَعُوا إمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ فَأَخْبَرَ أَنَّ بَيْتَهَا خَيْرٌ لَهَا ....ولما أجاز لِلْمَرْأَةِ الِاعْتِكَافُ بِاتِّفَاقِ الْفُقَهَاءِ وَجَبَ أَنْ يَكُونَ ذلك في بيتها لقوله صلّى الله عليه وسلم (وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ)............قوله صلى الله عليه وسلم (صلاة المرأة في دارها أفضل من صلاتها في مسجدها و صلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في دارها و صلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها) فلما كانت صلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في المسجد كان اعتكافها كذلك و يدل على كراهة الاعتكاف في المساجد للنساء۔ " عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا ایسی مسجد میں اعتکاف کرنے سے افضل ہے جس میں جماعت سے نماز ہوتی ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو، اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں، اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت کی بہترین نماز اس کے گھر میں ہے۔ اور احکام القرآن میں کہتے ہیں : نبی کریم ﷺ سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا : اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو، اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں ، تو آپ ﷺ نے بتایا کہ عورت کا گھر اس کے لئے زیادہ بہتر ہے ، ....اور جب تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کیلئے اعتکاف کرنا جائز ہے تو لازم ہے کہ وہ اس کے گھر میں ہو ، اس لئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اور ان کے گھر ان لئے زیادہ بہتر ہیں ....آپ ﷺ کا فرمان ہے : عورت کا اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنا ، محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے ، اورگھر میں نماز پڑھنا، صحن میں پڑھنے سے افضل ہے ، اورگھر کے باہری کمرہ کے مقابلہ اندرونی کمرہ میں پڑھنا افضل ہے۔ پس جب اس کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے تو اعتکاف بھی اسی طرح ہوگا، اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کا مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے ۔(شرح مختصر الطحاوي للجصاص : ج2: ص473, أحكام القرآن : ج2: ص303)

۲ - امام علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل المرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ "أما المرأة فتعتكف في مسجد بيتها لأنه هو الموضع لصلاتها فيتحقق انتظارها فيه و لو لم يكن لها في البيت مسجد تجعل موضعا فيه فتعتكف فيه" "عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے گی، اس لئے کہ وہی اس کی نماز کی جگہ ہے، تو نماز کا انتظار اسی میں پایا جائے گا، اور اگر گھر میں کوئی نماز کی جگہ متعین نہ ہو تو کوئی جگہ طے کرلے اور پھر وہاں اعتکاف کرے۔ (الهداية : ج1: ص129)

۳ - فقیہ فخر الدین زیلعیؒ (م ۷۴۳ھ) کہتے ہیں "الْمَرْأَةُ تَعْتَكِفُ فِي مَسْجِدِ بَيْتِهَا لِأَنَّهُ هُوَ الْمَوْضِعُ لِصَلَاتِهَا فَيَتَحَقَّقُ انْتِظَارُهَا فِيهِ وَلَوْ اعْتَكَفَتْ فِي مَسْجِدِ الْجَمَاعَةِ جَازَ وَالْأَوَّلُ أَفْضَلُ "عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے گی، اس لئے کہ وہی اس نماز کی جگہ ہے، تو نماز کا انتظار بھی اسی میں متحقق ہوگا، اور اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں جماعت سے نماز ہوتی ہو تو جائز ہے مگر پہلا (یعنی گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا) افضل ہے۔

۴ - امام عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلیؒ (م ۶۸۳ھ) کہتے ہیں "الْمَرْأَةُ تَعْتَكِفُ فِي مَسْجِدِ بَيْتِهَا وَهُوَ الْمَوْضِعُ الَّذِي أَعَدَّتْهُ لِلصَّلَاةِ....وَكَانَتْ صَلَاتُهَا فِي بَيْتِهَا أَفْضَلَ كَانَ اعْتِكَافُهَا فِيهِ أَفْضَلَ " عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے گی ، اور (گھر کی مسجد سے مراد) وہ جگہ ہے جو اس نے نماز کیلئے بنائی ہو، اور جب اس کی نماز اس کے گھر میں افضل ہے تو اس کا اعتکاف بھی اسی میں افضل ہے۔(تبيين الحقائق : ج1: ص350, الاختيار لتعليل المختار : ج1: ص137)

۵ - الامام الحافظ الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے فرمایا کہ "ولَمَّا كَانَ مَوضِع اعْتِكَاف الرِّجَال هُوَ مَوضِع الْفضل لَهُم فِي الصَّلَوَات المكتوبات, كَانَ مَوضِع اعْتِكَاف النِّسَاء فِي مَوضِع الْفضل لَهُنَّ فِي الصَّلَوَات المكتوبات, وَهن فِي بُيُوتهنَّ, وَهَذَا قَول أَبِي حَنِيفَةَ, وَزفر, وأبي يُوسُف, وَمُحَمَّد" جب مردوں

کے اعتکاف کی جگہ وہ ہے جو فرض نمازیں ادا کرنے کیلئے ان کے حق میں افضل ہے، تو عورتوں کے اعتکاف کیلئے بھی وہی جگہ افضل ہونی چاہیے جو ان کی فرض نمازوں کیلئے افضل ہے، اور وہ ان کے گھر ہیں۔ یہی امام ابو حنیفہؒ، امام زفرؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔ (أحكام القرآن للطحاوي: ج 1: ص 470)[63]

مسجد شرعی کی قید لگانا:

بعض لوگوں نے گھر کی مسجد پر یہ اعتراض کیا ہے کہ:

گھر کی مسجد، شرعی مسجد نہیں ہوتی، اسے مجازاً مسجد کہا جاتا ہے، اسی لئے اس میں ناپاک مرد و عورت کا آنا، اس جگہ کو بیچنا، وغیرہ سب جائز ہے۔ اس لئے عورت کا اس میں اعتکاف کرنا درست نہیں۔ قرآن نے جس مسجد میں اعتکاف کرنے کا حکم دیا ہے اس سے شرعی مسجد مراد ہے مجازی مسجد نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً: قرآن میں مسجد میں اعتکاف کرنے کا حکم ہے، اور عورت اپنے گھر میں نماز کیلئے جو جگہ طے کر لیتی ہے حدیث میں اس جگہ کے لئے مسجد ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

---

[63] پورے گھر کی بجائے مسجد البیت یعنی گھر کی مسجد کی تعیین کی وجہ:

ارشاد الحق اثری صاحب اعتراض کرتے ہیں:

عورت کے لئے... پورے گھر کی چار دیواری میں نماز پڑھنے کو علی حسب التستر افضل قرار دیا ہے، اس میں گھر کی مسجد مراد نہیں، لیکن اعتکاف کیلئے جو خود علماء احناف نے گھر کی مسجد کو مخصوص کیا ہے، یہ کس دلیل کی بنا پر ہے؟ (ص ۲۷۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ:

قرآن شریف میں اعتکاف کو مسجد میں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ {وانتم عاكفون في المساجد} (سورۃ البقرۃ / ۱۸۷)

یہاں لفظ مسجد عام ہے، کسی بھی مسجد میں اعتکاف کرنے سے اس حکم پر عمل ہو جائے گا۔

مگر علماء نے اس میں تخصیص کی ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے نزدیک مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصی ان تینوں مسجدوں میں ہی اعتکاف کرنا جائز ہے۔

شیخ البانی کا بھی یہی قول ہے۔ (الصحیحہ / ۲۷۸۶) (قیام رمضان / ۳۶)

امام زہریؒ کے نزدیک جامع مسجد ضروری ہے۔

حضرت عطاء کے نزدیک مسجد حرام اور مسجد نبوی میں ہی اعتکاف کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ کے نزدیک صرف مسجد نبوی میں درست ہے۔

وخصه طائفة من السلف كالزهري بالجامع مطلقاً ۔۔۔ وخصه حذيفة بن اليمان بالمساجد الثلاثة وعطاء بمسجد مكة والمدينة وابن المسيب بمسجد المدينة۔ (فتح الباری ۴ / ۲۷۲)

امام احمدؒ کے نزدیک ایسی مسجد ضروری ہے جس میں جماعت سے نماز ہوتی ہو۔ (المغنی ۳ / ۱۸۹)

امام مالکؒ کے نزدیک ایسی مسجد شرط ہے جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو۔ (المدونۃ ۱ / ۲۹۸)

اسی طرح علماء احناف نے قرآنی حکم کہ اعتکاف مسجد میں ہو، کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا کہ:

اگر عورت گھر میں اعتکاف کرے تو اسی جگہ کرے جسے حدیث میں عورت کی مسجد کہا گیا۔

اس سے علماء احناف کی دقت نظر، اور اعتراض کرنے والے کی کم علمی اور کوتاہ نظری ظاہر ہے۔

حضرت جویریہؓ اپنے گھر کی مسجد میں بیٹھ کر ذکر کر رہی تھیں مگر حدیث میں اس کے لئے مسجد ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ "أن النبی ﷺ مر علیھا وھی فی المسجد تدعو۔" (سنن النسائی / ۱۳۵۲)

حضرت نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گذرے وہ مسجد میں ذکر کر رہی تھیں یعنی قرآن نے جس چیز کا حکم دیا تھا حدیث کے روشنی میں اس پر عمل ہو رہا ہے۔

ثانیاً: غیر مقلدین یہ مانتے ہیں کہ:

(۱) وہ عبادت جسے مرد کیلئے مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے جیسے فرض نماز۔ عورت کیلئے اس کو اپنے گھر میں ادا کرنا افضل ہے۔

(۲) حدیث شریف میں ہے:

"**فجلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ، لم یزل فی صلاۃ حتی یصلی**" **یعنی** پس وہ شخص نماز کا انتظار کرتے ہوئے مسجد ہی میں بیٹھا رہے، تو وہ مسلسل نماز ہی میں رہے گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لے۔ (مؤطا مالک / ۵۵۶)

اس حدیث میں مسجد کا لفظ ہے، کہ وہ شخص مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کرتا رہے۔

اس کے باوجود سلفی عالم شیخ عبد الکریم الخضیر کہتے ہیں:

عورت اپنے گھر کی مسجد میں یہ عمل کرے تو اسے بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ **(شرح المؤطا للخضیر ۲۵/۳۳)**

معلوم ہوا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار جو مرد سے مسجد میں مطلوب ہے۔ آپ کے نزدیک، عورت یہ عمل گھر میں ادا کرے، تو بھی اسے اس کی فضیلت حاصل ہوگی۔

(۳) حدیث شریف میں جس عبادت کی فضیلت جماعت سے نماز ادا کرنے پر بیان کی گئی ہے، جیسے ذکر اللہ کی بعض صورتیں۔ غیر مقلدین یہ بھی مانتے ہیں کہ وہی عبادت اگر عورت اپنے گھر میں، تنہا بھی ادا کرے تب بھی اسے وہ افضیلت حاصل ہوگی، جیسے:

حدیث میں ہے: "**من صلی الغداۃ فی جماعۃ ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کأجر حجۃ وعمرۃ تامۃ تامۃ تامۃ**" جو شخص جماعت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھے، پھر سورج طلوع ہونے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہے، پھر دو رکعت پڑھے، اس کو حج وعمرہ کے اجر کی طرح اجر ملے گا، مکمل مکمل مکمل۔ (سنن ترمذی / ۵۸۶، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ / ۳۴۰۳)

سلفی شیخ ابن بازؒ سے پوچھا گیا کہ:

اگر کوئی عورت اپنے گھر میں تنہاء نماز پڑھے، پھر اشراق تک ذکر کرنے کے بعد دو رکعت پڑھے تو اسے بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی؟

انہوں نے کہا: ہاں امید ہے اسے بھی یہ عظیم فضیلت حاصل ہوگی۔ (فتاویٰ نور علی الدرب ۸۹/۹) یہی بات شیخ عبد المحسن العباد حفظہ اللہ (موجودہ محدث مدینہ) نے بھی کہی ہے۔ (شرح الاربعین النوویۃ للعباد ۲۳/۲۷)

حدیث میں جماعت سے نماز پڑھنے کی تصریح ہے، جو اکثر مسجد ہی میں ادا کی جاتی، **اس کے باوجود اہل حدیث حضرات کا فتویٰ ہے کہ: گھر میں اور تنہا پڑھنے پر بھی امید ہے کہ عورت کو وہ فضیلت حاصل ہوگی۔**

ایک اہم بات :

اس حدیث میں فجر کی نماز کے بعد وہیں بیٹھ کر سورج نکلنے تک ذکر کرنے کی فضیلت بتائی گئی ہے۔تو یہ جو فجر کی نماز کے بعد سے لے کر اشراق تک کے درمیان کی مدت ہے ،جس میں ذکر کرنے کی یہ فضیلت ہے،اس کو علماء نے 'اعتکاف' قرار دیا ہے۔۔ اس مدت کے بارے میں اہل حدیث عالم[64] شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں : یہ وہ **اعتکاف** ہے جسے رسول اللہ ﷺ ہر روز کیا کرتے تھے۔(حجت اللہ البالغہ ۲/۲۴)

معلوم ہوا مسجد میں بیٹھ کر ذکر کرنے کی یہ جو مختصر مدت ہے ، شاہ ولی اللہؒ اسے اعتکاف مان رہے ہیں۔اسی طرح صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ بھی تھوڑی دیر مسجد میں بیٹھ کر ذکر کرنے کو اعتکاف کہتے ہیں : وقال عطاء:قال یعلی بن منیه:انی لأمکث فی المسجد الساعة, و ماأمکث الا لأعتکف ۔قال عطاء:و هو اعتکاف ما مکث فیه, وان جلس فی المسجد احتساب الخیر فهو معتکف و إلا فلا۔(شرح صحیح البخاری لابن بطال ۴/۱۶۰، ولفظ لہ،مصنف ابو بکر عبد الرزاق : حدیث نمبر : ۸۰۰۶-۸۰۰۷)

اور آپ کے علماء خود یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ : **یہ اعتکاف جو مرد سے مسجد میں مطلوب تھا، عورت وہ اعتکاف اپنے گھر میں کر سکتی ہے۔**

نیز اثری صاحب ایک سوال کا جواب بھی عنایت فرمائے کہ **جب اہل حدیث علماء کے نزدیک 'اعتکاف اصغر' عورت گھر میں کر سکتی ہے تو 'اعتکاف اکبر' کیوں نہیں کر سکتی ؟**

(۴) مرد کا مسجد سے بہت تعلق ہو، اس کا دل ہمیشہ مسجد میں لگا رہتا ہو ،یہ فضیلت کی چیز ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔(صحیح مسلم /۱۰۳۱) اور اعتکاف میں بھی یہی چیز ہوتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو مسجد میں روکے رکھتا ہے۔علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں : "الاعتکاف یوجب الاحتباس فی المسجد"یعنی اعتکاف اپنے آپ کو مسجد میں روکے رکھنے کولازم کرتا ہے۔(شرح العمدۃ لابن تیمیہ ۲/۷۴۶)

مگر ایک عورت جس کا مسجد سے ایسا ہی تعلق تھا ، وہ ہمیشہ مسجد میں رہتی ، سعودی کے کبار علماء نے اسے فتویٰ دیا کہ : تمہارا گھر میں بیٹھنا مسجد جاکر وہاں بیٹھنے سے افضل ہے۔(فتاویٰ لجنہ دائمہ ۲-۶/۲۵۲-رقم الفتویٰ /۱۷۵۹۴)

اب رہا کیا؟

اعتکاف میں جتنی چیزیں ہوتی ہیں وہ ساری چیزیں آپ عورت کو گھر میں ادا کرنے کہتے ہیں :

فرض نمازوں کا اہتمام : آپ کے نزدیک عورت کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ ان کو گھر میں ادا کرے۔

ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنے کی فضیلت حاصل کرنا : آپ کے نزدیک یہ عمل بھی عورت اپنے گھر میں کر سکتی ہے۔

ذکر اللہ کی کثرت: آپ کے نزدیک عورت کو یہ چیز اپنے گھر میں کرنا چاہیے۔

---

[64] شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو غیر مقلدین علماء 'اہل حدیث' قرار دیتے ہے۔اس لئے یہاں ان کو الزامی طور پر اہلحدیث عالم کہا گیا ہے۔ (عقیدہ اہل حدیث : ص ۱۱،سیرۃ ثنائی : ص ۳۰۰،عقیدہ توحید اور سلف کی خدمات : ص ۶۸)

اپنے آپ کو اللہ کے گھر میں روکے رکھنا : آپ کے نزدیک عورت کو یہ عمل اپنے گھر میں کرنا چاہیے۔

مسجد میں ذکر کیلئے بیٹھنا اعتکاف ہے : اوروہ بھی آپ کے نزدیک عورت اپنے گھر میں کرے۔

جب اعتکاف کے سارے ہی اعمال عورت اپنے گھر میں کرے ، یہی افضل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ: لیکن اعتکاف مسجد شرعی ہی میں کرے گی۔ یہ مسئلہ نہیں معمہ ہے۔

علماء احناف کی عبارت:

ارشاد الحق اثری صاحب نے علماء احناف کی عبارت نقل کی ہے کہ عورت کو مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے۔

الجواب :

جہاں پر جائز ہونے کی بات نقل کی گئی ہے ، وہاں پر یہ بات کی بھی صراحت ہے کہ افضل یہ ہے کہ عورت گھر ہی میں اعتکاف کرے ، اور یہی احناف کا مفتی بہ قول ہے[65] ، اور اگر ارشاد الحق اثری صاحب اس پر اصرار کرتے ہیں کہ جب عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے ، جس سے عورت کے لئے مسجد میں اعتکاف کے موقف ہی کی تائید ہوتی ہے۔(صفحہ ۲۸۱) تو نماز میں رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے کے بارے میں خود علماء اہل حدیث نے فتویٰ دیا ہے ،کہ اگر نماز میں رفع الیدین نہ کیا جائے تو بھی ان کے نزدیک نماز کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا۔(فتاویٰ علماء حدیث ۱۵۴/۳) یعنی اہل حدیث حضرات کے نزدیک نماز میں رفع الیدین نہ کرنا بھی جائز ہے ، تو ارشاد الحق اثری صاحب ! کیا اس سے نماز میں رفع الیدین نہ کرنے والوں کے مذہب کی تائید ہوتی ہے ؟ جو جواب آپ اس کا عنایت فرمائے گے وہی جواب ہماری طرف سے ہمارے علماء کی عبارات کا ہوگا۔

الغرض اس تفصیل و تحقیق سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے۔اوراثری صاحب کے تمام اعتراضات باطل اور مردودہے۔

---

[65] اگر چہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا غیر مفتی بہ قول ہے ، لیکن جہاں پر علماء نے جائز کہا ہے ، وہاں شرائط بھی لگائی ہے کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت لے ، اور امام طحاویؒ (م ۳۲۱؁ھ) نے ایک اور شرط یہ بھی ذکر کی ہے کہ عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ اعتکاف کریں۔ان کے الفاظ یہ ہیں : **قال ابو جعفر: إنما جاز لهن لأنهن كن مع أزواجهن، وللمرأة أن تعتكف في المسجد مع زوجها كما تسافر معه۔**(مختصر اختلاف العلماء للطحاوی ۴۹/۲) لہذا صرف جواز کو نقل کرنا اور تمام شرائط کو نقل نہ کرنا یہ کونسی دیانت داری ہے ؟

عیدین کی رات میں عبادت کرنے کی فضیلت ثابت ہے۔

مفتی ابن اسماعیل المدنی

سوال: کیا عیدین کی رات میں عبادت کرنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت ہے؟ فرقہ اہل حدیث والے کہتے ہیں کہ اس رات میں عبادت کرنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں، اس لئے یہ بدعت ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً: عیدین کی راتوں کو، ذکر اللہ، نماز، تلاوت قرآن مجید، استغفار وغیرہ طاعات کے ذریعہ زندہ کرنا مستحب ہے۔

چنانچہ امام ابن ماجہؒ (م۲۷۳ھ) اپنی "سنن" میں فرماتے ہیں کہ

حدثنا ابو احمد المرار بن حمويه، قال حدثنا محمد بن المصفى، قال حدثنا بقية بن الوليد، عن ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان، عن أبي امامة عن النبي ﷺ قال: من قام ليلتي العيدين محتسباً لله لم يمت قلبه يوم تموت القلوب۔

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: جو عیدین کی رات کو قیام کرے گا، (اور بعض روایتوں میں عیدین کی راتوں کو زندہ کرنے کا لفظ آیا ہے) اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کرتے ہوئے، اس کا دل اس دن نہیں مرے گا، جس دن کے دل مردہ ہو جائیں گے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (حدیث نمبر ۱۷۸۲)

لیکن بقیہ بن الولیدؒ (م۱۹۷ھ) کی وجہ سے اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ اور وہ کلام یہ ہے کہ ان کی عادت تھی کہ وہ سند کے ضعیف راویوں کو چھپا لیتے تھے۔ اور اسی بات کو بہانہ بنا کر فرقہ اہل حدیث والے کہتے ہیں کہ عیدین کی رات میں عبادت کرنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں۔

ہم ان شاء اس کے دس جوابات دیں گے۔

جواب نمبر ۱ یہ ہے کہ:

بقیہ بن الولید کی تدلیس کی وجہ سے محدثین نے ان پر کلام کیا ہے، لیکن اسی حدیث میں بقیہ بن الولید کے استاد خالد بن معدانؒ (م۱۰۳ھ) جو کہ تابعی (یعنی صحابی کے شاگرد) ہیں ان سے یہی حدیث دوسری صحیح سند سے بھی منقول ہے۔ دیکھئے: (فضائل شهر رجب للخلال، حديث نمبر ۱۷)

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: " **قال ابو محمد الخلال[66] حدثنا عمر بن أحمد بن هارون المقرئ[67] ثنا أحمد بن الحسن الفقيه[68] ثنا الحسن بن علي[69] ثنا سويد بن سعيد[70] ثنا سلمة بن موسى الأنصاري[71] بالشام عن أبي موسى الهلالي[72] عن خالد بن معدان[73]**

---

[66] هو الإمام، الحافظ، المجود، محدث العراق، الثقة، أبو محمد الحسن بن أبي طالب الخلالؒ (المتوفى: ۴۳۹ھ)۔ (سير أعلام النبلاء: ج۱۷: ص ۵۹۳)

[67] هو الثقة، الصالح، عمر بن أَحْمَد بن هارون، أَبُو حفص الْآجُرِّيُّ البغداديُّ المقرئؒ (المتوفى: ۳۸۲ھ)۔ (تاريخ الإسلام: ج۸: ص ۵۳۶)

[68] هو الإِمَامُ، المُحَدِّثُ، الحَافِظُ، الفَقِيْه، المُفْتِي، شَيْخُ العِرَاق أحمد بن سلْمان بن الْحَسَن، أَبُو بَكْر النّجاد ؒ (المتوفى: ۳۴۸ھ)۔ (سير أعلام النبلاء: ج۱۵: ص ۵۰۲)

[69] هو الإمام، الحافظ، المجود، البارع، محدث العراق، أبو علي الحسن بن علي المعمريؒ (المتوفى: ۲۹۵ھ)۔ (سير أعلام النبلاء: ج۱۳: ص ۵۱۰)

قال: خمس ليال في السنة من واظب عليهن رجاء ثوابهن وتصديقا بوعدهن أدخله الله الجنة أول ليلة من رجب يقوم ليلها ويصوم نهارها وليلة النصف من شعبان يقوم ليلها ويصوم نهارها وليلة الفطر يقوم ليلها ويصوم نهارها وليلة الأضحى يقوم ليلها ويصوم نهارها وليلة عاشوراء يقوم ليلها ويصوم نهارها"۔

جواب نمبر۲ یہ ہے کہ:

صحابی حضرت ابو درداءؓ سے بھی یہی بات ثابت ہے۔

اخبرنا الربيع قال أخبرنا الشافعي قال أخبرنا ابرهيم بن محمد قال أخبرنا ثور بن يزيد عن خالد بن معدان عن أبي الدرداء ﷺ به۔ (الام للامام الشافعی رحمہ اللہ حدیث ۱/۲۶۴)

اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن محمد ابو یحیٰ ہیں، جن پر کلام ہے۔

لیکن اس راوی ابراہیم بن محمد کے بارے میں فرقہ اہل حدیث کے مشہور محدث، علامہ مبارکپوریؒ کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ابی یحیٰ کو اگرچہ قطان نے کذاب کہا ہے، مگر امام شافعیؒ نے ان کی توثیق کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث میں ثقہ ہیں، اور امام ممدوح نے ان سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور سفیان ثوری اور ابن جریج اور بڑے بڑے محدثین نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، ابن عقدہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن یحیٰ کی حدیث میں غور و فکر کیا اور اس کو دیکھا تو معلوم ہوا وہ منکر الحدیث نہیں ہیں، ابن عدیؒ نے کہا کہ میں نے بھی ان کی حدیثوں کو بہت دیکھا لیکن کوئی حدیث منکر نہیں پائی، حوالہ کیلئے دیکھئے میزان

---

[70] ان کا نام "سويد بن سعيد بن سهل، الهروي الحدثاني (المتوفى: ۲۴۰ھ)" ہے۔ یہ مسلم کے راوی ہے اور جمہور کے نزدیک ثقہ ہے۔ اور آپؒ کا آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔ لیکن امام الحافظ ابو نعیمؒ (م ۴۳۰ھ) نے "الحسن بن علي المعمري ثنا سويد بن سعيد" کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم لأبي نعیم: ج۲: ص ۱۳۰، نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام: ص ۴۹) یعنی' امام الحافظ ابو نعیمؒ (م ۴۳۰ھ)' کے نزدیک الحسن بن علی المعمری نے سوید بن سعید سے اختلاط سے سماع کیا تھا جیسا کہ زبیر علی زئی صاحب کا اصول ہے۔ (مقالات: ج۶: ص ۱۴)

[71] سلمة بن موسى الأنصاري بھی ثقہ ہے۔ حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ 'ما أرى به بأساً'۔ (کتاب الثقات للقاسم بن قطلوبغاؒ: ج ۵: ص ۷۱)

[72] ابو موسی الھلالیؒ بھی مقبول راوی ہے۔ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے آپ کو کتاب الثقات میں شمار کیا ہے۔ (رقم ۱۱۹۷۶) امام ابو داودؒ (م ۲۷۵ھ) نے آپ کی روایت پر سکوت اختیار کیا ہے (حدیث نمبر ۲۰۵۹، ۲۰۶۰) اور ان کا سکوت اہل حدیثوں کے نزدیک روایت کے معتبر ہونے کی دلیل ہے دیکھئے: ص ۵۳۔ (یعنی ان کے اصول کے مطابق امام ابو داودؒ (م ۲۷۵ھ) اس روایت کو معتبر مانتے ہیں۔ اور جب کسی حدیث کو کوئی محدث یا امام صحیح قرار دے، تو ان کا صحیح کہنا کفایت صاحب، علی زئی اور دوسرے اہل حدیث کے نزدیک اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں /۱۷، انوار البدر /۲۷)، اسی طرح امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ الکبیر ۷/۳۸۹ میں اس راوی کا ذکر کیا اور کوئی جرح نہیں، اور غیر مقلدین کے نزدیک یہ امام بخاریؒ کی طرف راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ (میزان مناظرہ ۲/۱۱۱)، امام الحافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے فتح الباری میں ان کی حدیث کو نقل کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے۔ (ج۹: ص ۱۴۸) یعنی اس کو صحیح یا ضعیف نہیں کہا ہے، اور خود کفایت اللہ صاحب ابن حجرؒ کے سکوت کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح یا کم از کم حسن ہے۔ (انوار البدر /۱۴۵) اسی طرح عبد المنان نور پوری نے بھی یہ بات کہی ہے۔ (تعداد تراویح ۲۲۷) اور جب کسی حدیث کو کوئی محدث صحیح قرار دے، تو ان کا صحیح کہنا اہل حدیثوں کے نزدیک اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا۔ لہذا یہ راوی خود اہل حدیث حضرات کے اپنے اصول کی روشنی میں معتبر ہے۔

[73] خالد بن معدان (م ۱۰۳ھ) بھی ثقہ عابد ہے۔ (تقریب: رقم ۱۶۷۸)

الاعتدال، پس جب ابراہیم بن ابی یحیٰ کے بارے میں امام شافعیؒ، ابن عقدہ اور ابن عدی کا یہ قول ہے **تو ان کی کسی حدیث کے استشہاداً (یعنی بطور سپورٹ کے) ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔** (القول السدید: ص۳۷)

معلوم ہوا کہ اہل حدیثوں کے نزدیک ابراہیم بن محمد ابو یحیٰ کی حدیث کو سپورٹ میں ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ہم نے یہاں پر بھی ان کی حدیث کو سپورٹ میں ہی ذکر کیا ہے۔[74] اس ابراہیم بن محمد ابو یحیٰ کی حدیث سے کم سے کم بقیہ بن الولیدؒ پر تدلیس کا الزام باطل ہوجاتا ہے۔

جواب نمبر۳ یہ ہے کہ :

مشہور محدث الحسن بن سفیان نے بھی اپنی مسند میں دوسرے صحابی حضرت عبادہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (التلخیص الحبیر ۲/۱۹۱/ حدیث:۶۷۶)[75] اس سند سے بقیہ بن الولیدؒ کی روایت کی تائد ہوتی ہے۔

جواب نمبر۴ یہ ہے کہ

حضرت مکحولؒ جو کہ تابعی ہیں ان سے بھی یہی حدیث مروی ہے۔ امام دار قطنیؒ (م۳۸۵ھ) اس کو محفوظ کہتے ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں: **والمحفوظ أنه موقوف على مكحول۔** (العلل للدار قطنی، حدیث/۲۷۰۳)[76] اس سے بھی بقیہ بن الولیدؒ کی روایت کی تائد ہوتی ہے۔

جواب نمبر۵ یہ ہے کہ

حضرت امام عبد اللہ ابن المبارکؒ (م۱۸۱ھ) جو تبع تابعی (یعنی صحابی کے شاگرد کے شاگرد)، بہت بڑے محدث اور امام اہل سنت ہیں، یہی حدیث ان کو بھی پہونچی تھی۔(البر والصله للحسين بن حرب: حدیث نمبر ۶۳، وسندہ صحیح الی ابن المبارک)[77]

---

[74] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ص۔

[75] حافظؒ کے الفاظ یہ ہیں: کہ '' وَرَوَاهُ الْحَسَنُ بْنُ سُفْيَانَ مِنْ طَرِيقِ بِشْرِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وبشر منهم بِالْوَضْعِ ''۔اس کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں بشر نامی راوی ہے، جس پر حدیثیں گڑھنے کا الزام ہے، مگر یہاں ابن حجرؒ سے بھول ہوگئی ہے، خود انہوں نے جرح وتعدیل کی اپنی ایک اور کتاب میں اس راوی کو صرف ضعیف کہا ہے، حدیثیں گڑھنے والا نہیں کہا ہے۔(دیکھئے تقریب التہذیب، رقم:۶۸۵)
بشر بن رافع نامی اس راوی سے امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب الادب المفرد میں حدیث نقل کی ہے۔ معلوم ہوا اس سند سے یہ حدیث ضعیف تو ہے، لیکن سخت ضعیف نہیں۔

[76] امام دار قطنیؒ کے الفاظ یہ ہیں : **وسئل عن حديث مكحول، عن أبي أمامة، قال: من أحيا ليلة الفطر، أو ليلة الأضحى؛ لم يمت قلبه إذا ماتت القلوب.**
فَقَالَ: يَرْوِيهِ ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ، وَاخْتُلِفَ عَنْهُ،
فرواه جرير بن عبد الحميد، عن ثور، عن مكحول، عن أبي أمامة.
قاله ابن قدامة وغيره، عن جرير.
ورواه عمر بن هارون، عن جرير، عن ثور، عن مكحول، وأسنده عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
وَالْمَحْفُوظُ أنه موقوف عن مكحول.

امام عبد اللہ ابن المبارکؒ (م ۱۸۱ھ) بقیہ بن الولیدؒ (م ۱۹۷ھ) کے معاصر ہے۔لہذا ابن المبارکؒ کے قول سے بھی اس روایت میں بقیہؒ پر تدلیس کا الزام باطل ہے۔

جواب نمبر ۶ یہ ہے کہ :

امام الحافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) جو خود بہت بڑے محدث ہیں، انہوں نے اس حدیث کو کئی سندوں سے منقول ہونے کی وجہ سے **قوی کہا ہے۔** (مصباح الزجاجۃ ۲/۸۵)[78]

جواب نمبر ۷ یہ ہے کہ :

الشیخُ الإمامُ العالمُ العلامۃُ الْفَقِیہ مُحَمَّد بن مُفْلِحؒ (م ۷۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ 'وھو حدیث حسن إن شاء اللہ تعالی' وہ حدیث ان شاء اللہ حسن ہے۔(کتاب الفروع لا بن مفلح : ج ۲ : ص ۴۰۸)

جواب نمبر ۸ یہ ہے کہ:

علوم حدیث کے بڑے ماہر اور سلفی عالم، جنہیں شیخ ابن بازؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے علامہ کا لقب دیا تھا، نور الدین عتر صاحب نے حدیث کے اصول کی روشنی میں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف تو ہے، لیکن رات کو نماز پڑھنا اور عبادت کرنا، اس پر قرآن اور سنت متواترہ میں ابھارا گیا ہے اور دعاء و ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا یہ ایسے اعمال ہیں جن کی ترغیب تو ہر وقت اور ہر حال میں دی گئی ہے، جن میں عیدین کی راتیں بھی داخل ہیں۔

جس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث سے کوئی نئی چیز ثابت نہیں ہوئی بلکہ ایک ایسے عمل کی فضیلت بیان ہوئی ہے جو شریعت کے اصول اور قرآن و سنت کی عام نصوص کے موافق ہے۔

لہذا اس حدیث پر عمل کے مستحب ہونے میں کوئی تردد نہیں۔[79]

---

[77] الفاظ یہ ہیں : حدثنا الحسين بن الحسن قال: سمعت ابن المبارك، يقول: بلغني أنه من أحيا ليلة العيد أو العيدين لم يمت قلبه حين تموت القلوب

[78] ان کے الفاظ یہ ہیں : هَذَا إِسْنَاد ضَعِيف لتدليس بَقِيَّة وَرُوَاته ثِقَات لَكِن لم ينْفَرد بِهِ بَقِيَّة عَن ثَوْر بن يزِيد فقد رَوَاهُ الْأَصْبَهَانِيّ فِي كتاب التَّرْغِيب من طَرِيق عمر بن هَارُون الْبَلْخِي وَهُوَ ضَعِيف عَن ثَوْر بِهِ وَله شَاهد من حَدِيث عبَادَة بن الصَّامِت رَوَاهُ الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَالْكَبِير والأصبهاني من حَدِيث معَاذ بن جبل فيقوى بِمَجْمُوع طرقه۔

[79] الفاظ یہ ہیں : وقد ذهب العلماء إلى أنه يستحب إحياء ليلتى العيدين بذكر الله تعالىٰ وغيره من الطاعات لهذا الحديث الضعيف لأنه يعمل به فى فضائل الاعمال كما قرر النووى، ونحن ونعلم أن قيام الليل والتعبد فيه ورد الحض عليه فى القرآن والسنة المتواترة، والتقرب إلى الله تعالىٰ بالذكر والدعاء ونحوهما مرغب فيه كل الاوقات والاحوال، وكل ذلک يشمل بعمومه ليلتى العيدين اللتين لهما من الفضل مالهما۔

وهذا يوضح تماماً أن الحديث لم يشرع شيئا جديداً، إنما جاء بجزئية موافقة لأصول الشريعة ونصوصها العامة، مما لا يدع أى مجال للتردد فى استحباب العمل به والأخذ بمقتضاه۔(منہج النقد فی علوم الحدیث: ص ۲۹۶)

نیز فضائل اعمال کے باب میں، ایسی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شیخ البانیؒ (م ۱۴۲۰؁ھ) کے نزدیک بھی گنجائش ہے، جس میں کسی ثابت شدہ عمل کا کوئی خاص اجر و ثواب بیان کیا گیا ہو۔[80] شیخ الابانیؒ کے اس اصول کے لحاظ سے بھی عیدین میں عبادت والی حدیث مقبول ہے۔

جواب نمبر ۹ یہ ہے کہ:

اسلاف کے زمانہ سے اس حدیث پر عمل چلا آرہا ہے۔

حافظ ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن أحمد بن محمد بن قدامةؒ (م ۶۲۰ھ) کے نزدیک بہت سے سلف سے یہ بات منقول ہے کہ وہ اس کو مستحب سمجھتے تھے کہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنے والا عید کی رات کو مسجد ہی میں قیام کرے، اور پھر وہیں سے عید گاہ جائے، تاکہ اس رات کو عبادت کے ذریعہ زندہ کرے۔ (المغنی لابن قدامۃ ۳/۲۰۸،[81] کشف القناع ۲/۵۲)

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عدی بن ارطاۃؒ کو لکھا ہے کہ تمہیں چار راتوں میں (عبادت کا خاص) اہتمام کرنا چاہئے، ان میں اللہ تعالیٰ رحمت برساتے ہیں، جن میں عیدین کی راتیں بھی ہیں۔ (التلخیص الحبیر ۲/۱۹۱، ح: ۶۷۶، الترغيب والترهيب للأصبهاني : ج ۲ : ص ۳۹۳ و اسنادہ لیّن)

جواب نمبر ۱۰ یہ ہے کہ : چاروں مسلکوں میں اس کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

فقہ حنفی کی کتاب میں ہے :

"وندب إحياء ليلة العيدين الفطر والاضحى لحديث من أحيا ليلة العيد أحيا قلبه يوم تموت القلوب" یعنی مستحب ہے، عیدین کی راتوں کو زندہ کرنا مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے۔ (مراقی الفلاح /۱۵۰)

فقہ مالکی کی کتاب میں ہے :

---

[80] أنني أفهم من قولهم۔۔۔ في فضائل الاعمال أي الاعمال التي ثبتت مشروعيتها بما تقوم الحجة به شرعاً ويكون معه حديث ضعيف يسمي أجرا خاصاً لمن عمل به ففي مثل هذا يعمل به في فضائل الاعمال لانه ليس فيه تشريع ذلك العمل وإنما فيه بيان فضل خاص يرجى أن يناله العامل به، وعلى هذا المعنى حمل القول المذكور بعض العلماء كالشيخ علي القاري رحمه الله، فقال في المرقاة ۲/۳۸۱ : "قوله: إن الحديث الضعيف يعمل به في الفضائل وإن لم يعتضد إجماعاً كما قاله النووي محله الفضائل الثابت من كتاب أو سنة"۔ وعلیٰ هذا فالعمل به جائز إن ثبت مشروعية العمل الذي فيه بغيره مما تقوم به الحجة۔ (تمام المنۃ فی /۳۵)

[81] ان کے الفاظ یہ ہیں : ومن اعتكف العشر الأواخر من رمضان، استحب أن يبيت ليلة العيد في معتكفه. نص عليه أحمد. وروي عن النخعي، وأبي مجلز، وأبي بكر بن عبد الرحمن، والمطلب بن حنطب، وأبي قلابة، أنهم كانوا يستحبون ذلك. وروى الأثرم، بإسناده عن أيوب، عن أبي قلابة، أنه كان يبيت في المسجد ليلة الفطر، ثم يغدو كما هو إلى العيد، وكان - يعني في اعتكافه - لا يلقى له حصير ولا مصلى يجلس عليه، كان يجلس كأنه بعض القوم. قال: فأتيته في يوم الفطر، فإذا في حجره جويرية مزينة ما ظننتها إلا بعض بناته، فإذا هي أمة له، فأعتقها، وغدا كما هو إلى العيد. وقال إبراهيم: كانوا يحبون لمن اعتكف العشر الأواخر من رمضان، أن يبيت ليلة الفطر في المسجد، ثم يغدو إلى المصلى من المسجد.

”(وندب)۔۔۔(إحياء ليلته) أي العيد بالعبادة من صلاة وقراءة قرآن وذكر واستغفار“۔ (منح الجليل شرح مختصر الخليل ۱/۴۶۳)

فقہ شافعی کی کتاب میں ہے :

”ويستحب ليلتي العيد بالعبادة“۔(نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج ۲/۳۹۷)

فقہ حنبلی کی کتاب میں ہے کہ :

” (إن كان المعتكف فرغ من اعتكافه قبل ليلة العيد، استحب له المبيت ليلة العيد في المسجد) ليحييها “رمضان کے اخیری عشرہ کا اعتکاف کرنے والے اور عید کی رات مسجد ہی میں بتانا مستحب ہے تا کہ اس رات کو عبادت کے ذریعہ زندہ کرے ۔(کشف القناع عن متن الاقناع ۲/۵۲)

بلکہ اس حدیث پر عمل کرنے پر فقہاء کا اتفاق نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ’الموسوعۃ الکویتیہ‘ میں ہیں کہ

”اتفق الفقهاء على انه يندب قيام ليلتي العيدين لقوله ﷺ: من قام ليلتي العيدين محتسبا لله لم يمت قلبه يوم تموت القلوب “ فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے عیدین کی رات کو عبادت کے ذریعہ زندہ کیا جائے۔(الموسوعۃ الکویتیہ ۳۴/۱۲۳)

معلوم ہوا کہ اس حدیث پر بقول ابن قدامہؒ کے سلف کا اور چاروں مسالیک کا عمل ہے یعنی اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے **اور جب کسی حدیث پر اہل علم کا عمل ہوتا اور تو وہ حدیث تعامل اہل علم کی وجہ غیر مقلدین کے نزدیک صحیح ہوجاتی ہے**۔(فتاوی نذیریہ: ج۳: ص ۴۱۱) اس لحاظ سے بھی غیر مقلدین کا اعتراض باطل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ :

عیدین کی راتوں کو اللہ کی عبادت کے ذریعہ زندہ کرنا مستحب ہے۔

حدیث شریف میں اس کی فضیلت آئی ہے۔

وہ حدیث اصول حدیث کے مطابق قابل قبول اور حسن درجہ کی ہے۔

نیز سلف کا اس پر عمل رہا ہے، جس سے اس حدیث کو مزید تقویت ملتی ہے۔

چاروں مسلکوں میں اسے مستحب قرار دیا گیا، معلوم ہوا امت کی اکثریت اس عمل کو مستحب سمجھتی ہے۔اس لئے اسے بدعت قرار دینا، سلف کے زمانہ سے لے کر آج تک کی اکثر امت کو گمراہ قرار دینا ہے۔

ص۸۶ کے مضمون کا باقی اور آخری حصہ

دسویں صدی ہجری (م ۹۰۱ھ تا م ۱۰۰۰ھ) میں امام جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ " ومذھبنا ان التراویح عشرون رکعۃ، لما روی البیھقی وغیرہ باسناد الصحیح عن السائب بن یزید الصحابی ﷺ، قال کنا نقوم علی عھد عمر ؓ بعشرین رکعۃ والوتر "۔ **(المصابیح: ص ۴۱-۴۲)** شیخ الاسلام امام ابو یحیی زکریا بن محمد بن زکریا الانصاریؒ (م ۹۲۹ھ) فرماتے ہیں "وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات فی کل لیلۃ من رمضان"۔ **(اسنی المطالب شرح روضۃ الطالب ۱/۲۰۰)**، امام ابن نجیمؒ (م ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ "وسن فی رمضان عشرون رکعۃ...وھو قول الجمھور لما فی المؤطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا" ۔**(البحر الرائق ۲/۱۱۶،۱۱۷)** **گیارہویں صدی ہجری (م ۱۰۰۱ھ تا م ۱۱۰۰ھ) میں** امام الفقیہ ملا علی القاریؒ (۱۰۱۴) فرماتے ہیں "لکن أجمع الصحابہ علی أن التراویح عشرون رکعۃ"۔ **(مرقاۃ المفاتیح ۳/۳۴۶)** مزید تحریر کرتے ہیں کہ "نعم ثبت العشرون من زمن عمر"۔ **(مرقاۃ المفاتیح ۳/۳۴۶)** امام منصور بن یونس بن صلاح الدین بن حسن بن ادریس البھوتیؒ (م ۱۰۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ "(والتراویح) سنۃ مؤکدۃ سمیت بذلک لأنھم یصلون أربع رکعات ویتروحون ساعۃ أی یستریحون (عشرون رکعۃ)"۔ **(الروض المربع /۱۱۵)**، امام محمد بن بدرالدین بن عبد الحق بن بلبانؒ (م ۱۰۸۳ھ) فرماتے ہیں "والتراویح عشرون رکعۃ برمضان تسن والوتر معھا جماعۃ"۔ **(أخصر المختصرات /۱۱۸)** **بارہویں صدی ہجری (م ۱۱۰۱ھ تا م ۱۲۰۰ھ) میں** امام عبد الرحمن بن عبد اللہ بن البعلی الخلوطیؒ (م ۱۱۹۲ھ) فرماتے ہیں کہ "وھی عشرون رکعۃ برمضان تسن بتأکد ویسن الوتر معھا جماعۃ"۔ **(کشف المخدرات /۱۵۶)**، امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ : "وعددہ عشرون رکعۃ"۔ **(حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۲۹)** **تیرہویں صدی ہجری (م ۱۲۰۱ھ تا م ۱۳۰۰ھ) میں** امام احمد دردیرؒ (م ۱۲۰۱ھ) فرماتے ہیں "وھی (ثلاث وعشرون) رکعۃ بالشفع والوتر کما کان علیہ العمل"۔ **(حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۳۱۵)**، امام ابن عابدین شامیؒ (م ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ "وھی عشرون رکعۃ ھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا"۔ **(رد المحتار ۲/۴۹۵)**، امام مصطفی بن سعد السیوطی الرحیبانیؒ (م ۱۲۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ "لما روی مالک عن یزید بن رومان قال: کان الناس یقومون فی زمن عمر فی رمضان بثلاث عشرین رکعۃ، (عشرون رکعۃ فی رمضان)......لانہ وقت جدا وھذا فی مظنۃ الشھرۃ بحضرۃ الصحابۃ فکان إجماعاً"۔ **(مطالب أولی النھیٰ ۱/۵۶۳)** **چودہویں صدی ہجری (م ۱۳۰۱ھ تا م ۱۴۰۰ھ) میں** علامہ عبد الرحمن الجزیریؒ (م ۱۳۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ "وقد بین فعل عمر ؓ أن عددھا عشرون، حیث أنہ جمع الناس أخیر أعلی ھذا العدد فی المسجد، ووافقہ الصحابۃ علی ذلک، ولم یوجد لھم مخالف ممن بعدھم من الخلفاء الراشدین، وقد قال النبی ﷺ: علیکم بسنتی، وسنۃ الخلفاء الراشدین"۔ **(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۳۰۹)**

نوٹ: فرقہ اہل حدیث عموماً یہ کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث صحابہ کرامؓ کے دور سے آج تک موجود ہیں۔ (تحفہ حنفیہ: ص ۲۵۴) لہذا ہم کہتے ہیں کہ جب فرقہ اہل حدیث صحابہؓ کے دور سے آج تک موجود ہیں" تو جس طرح ۲۰ رکعات تراویح اور اس کے عمل کو ہر صدی کے علماء سے ثابت کیا گیا ہیں ویسے ہی فرقہ اہل حدیث حضرات سے گزارش ہے **کہ وہ صحابہؓ کے دور سے آج تک ہر صدی کے 'غیر مقلد واہل حدیث علماء' سے ۸ رکعات' تراویح یا قیام رمضان' کو صراحتا ثابت کریں تاکہ امت کو معلوم ہوجائے کہ یہ فرقہ انگریز سے پہلے بھی موجود تھا۔**

AL IJMA FOUNDATION YOUTUBE CHANNEL :
https://www.youtube.com/c/alijmaorg
YouTube SUBSCRIBE :
https://www.youtube.com/c/alijmaorg?sub_confirmation=1Alijma
WEBSITE : www.alijma.com
AL IJMA TWITTER : @alijmaofficial
FACEBOOK : http://fb.com/alijma.org
AL IJMA EMAIL : Info@alijma.com
WHATSAPP : +91 8097867973
AL IJMA CONTACT : +91 9987925955
FOR MORE YouTube VIDEOS VISIT:
https://www.youtube.com/channel/UCI7nuZxvgUG0wmUjYM8OCFw
-: FOR DONATIONS :-
DEVELOPMENT CREDIT BANK LIMITED (DCB BANK)
NAME : AL IJMA FOUNDATION
KURLA (011)BRANCH : MUMBAI - 400070.
A/C NO. 01122478630103
RTGS/NEFT/IFSC : DCBL0000011
Paytm No.: +91 9987925955
ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن
ALIJMA